

1urd़u.com

سارے گلاب لے جانا

Muskan

UrduFlame.com

میرے ہاتھ میں کاپنے ملے گلابی ڈنڈ پہنچتے چند ہم سے الشاظت مجھے کسی گھرے
 کنوں میں لا پھینکا، میں نے آنکھیں بند کر کے اس خط کو زور سے انہیں تھیں میں بھینخا اور پھر
 سہارے کے سینے پوار سے شیک لگالی۔ میری بند آنکھوں پر کھانے ایک ہی لمس تجھملارہا
 تھا۔

زینیا عمر!

زینیا!

جو مجھ سے محبت کرنے لگی تھی، اس وقت جب میں نے اس سے محبت کرنا چھوڑ دی
 تھی۔ لیکن میں نے اس سے محبت کرنا شروع کی تھی۔

پتا نہیں میں محبت کرنا جانتا بھی ہوں یا نہیں۔ محبت توہاں..... میں نے بھلا کب
 محبت کی، ہاں اسے محسوس ضرور کیا تھا۔ ایک بار نہیں کئی بار..... اپنے بہت قریب..... بہت

"بہت کچھ۔" سمجھنے لگا۔ گھر میں بھی اور باہر بھی۔ گھر میں افراد ہی کتنے تھے۔ ای، بھائی جان اور میں۔

ابو جی کی وفات کے وقت میری عمر نو برس تھی اور اتنا ہی فرق میرے اور بھائی جان کی عمر میں بھی تھا۔ اس دور تھی میں انہوں نے بڑا بھائی بن کے نہیں بلکہ بات کے میری پروپرٹی کا ذمہ اٹھایا۔ ابو جی کا کار دبار سنبھالنے کے لیے انہوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ ایف۔ ایسی کے دوران میں منقطع کر دیا۔ حالانکہ انہیں میڈیکل لائنس میں جانے کا کس قدر شوق تھا۔ ایسی جان نے بھم دنوں بھائیوں کو اپنے پروں تک چھما کے پالا تھا۔ اب جب باقر بھائی جان کو یکدم باہر کی دنیا نکلے تھیں تو بوكھا ٹھکے۔ پھر یہ میں نے اس بے جان پر زے کو جیب میں ڈالا اور سیف سے اپنا پاسپورٹ اور کیش نکال کر سامان پیک کر نہ لگا۔ میں اُڑ کے اُس سرزین پر پہنچنا چاہتا تھا، جہاں ہے بھی سرخ گلابوں کا وعدہ باد دلا یا گیا تھا اور مجھے سے وندھہ بھجا تھا۔

بھائی جان تو بے چارے خیر کیا کرتے، البتہ میں نے خوب خوب اس نری کا فائدہ اٹھایا، ای بجان بھلخنے میری نہر جائے جا ضلدا اور مشمول سے فضول تر خواہش مان کر میرے اندر خود میری کے اکیڑائے دلپڑان چڑھایا۔

مجھے اپنے آگئے پھر اندر تھیں تھیں تھا۔ ایں نہیں تھا کہ میرے دل میں محبت نام کی کوئی کر کھا تھا۔ ایسی اور بھائی جان دنوں سے ہی مجھے پیار تھا، ان کے بغیر میں اپنی زندگی چیز ہی نہیں تھی۔ ایسی اور بھائی جان دنوں سے ہی مجھے پیار تھا، ان کے بغیر میں اپنی زندگی کا اتصار ہمیں نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن بھی نہیں خرابی تھی میری سوچ میں۔ میں انہیں اپنے لیے قدریں ترکیں دیتا تھا، ان کا پیارہ لگوں وصولنا اپنا حق جانتا۔ لیکن بھی یہ نہیں سوچا کہ میں ان کے لیے کیا ہوں۔ کیا انہوں نے بھی میری ذات سے کچھ امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔

بھائی جان مجھے میڈیکل لائنس میں دیکھنا چاہتے تھے، جو خواب وہ خود پورا نہیں کر سکتے تھے، اسے سمجھتے ہوئے اسے تکمیل پاتا دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے

ساف صاف ہمہ نہایا۔ بھائی جان پریز ایسا سوئے گا بھی ملت، بات میری دیکھی ہونے یانا ہو نے کی نہیں ہے۔ شاید میں اس طرف اپنار جوان کر جیں لیتا، لیکن آپ کے یہ کہنے کے بعد تو بالکل بھی بیسے میرے دل کو کوئی ایڑیوں تکے کچلے جا رہا ہے اور میرا دل..... میرا فاغ خود پسند دل۔

ثرائی کو اندھر اسٹنڈ اس کرنے مجھے ہر پل یہ گلے گا کہ میں اپنی نہیں، آپ کی زندگی جی رہا تھا۔ لیکن سیٹ کی پشت سے سر زکا کے آنکھیں موند تے ہی جیسے ایک فلم سی چل پڑی۔

اپنی صاف گوئی کے زغم میں میں نے ان کا دتوال ہوتا چرہ بھی نہ دیکھا۔ ان دنوں خود پر کسی کو حاوی ہوتے دیکھنا میرے لیے تقابل برداشت تھا۔

میں عاشر ملک.... دراز قد، وجہہ ذہن، حاضر جواب، خوش مزاج اور اعلاء تعلیم یافت۔

ہی قریب اور جب محبت نے کسی آسیب کی طرح میرے وجوہ کو جکڑنا چاہا تو میں ہی مجبرا کے بھاگ لھلا۔ بزدل ہوں نا.....

میری بزدلی نے مجھے یہ اعتراف تک نہ کرنے دیا کہ میں عاشر ملک! اس نام سے لڑکی زینا عمر کا اسیر ہو چکا ہوں۔ میری خود پسندی اس حقیقت کو جھٹا لاتی رہی کہ دو پر سکون سے آنکھیں میری بے چین فطرت کو گیرے میں لے رہی ہیں۔

میں نے اس بے جان پر زے کو جیب میں ڈالا اور سیف سے اپنا پاسپورٹ اور

کیش نکال کر سامان پیک کر نہ لگا۔ میں اُڑ کے اُس سرزین پر پہنچنا چاہتا تھا، جہاں ہے

بھی سرخ گلابوں کا وعدہ باد دلا یا گیا تھا اور مجھے سے وندھہ بھجا تھا۔

"اچھا جب تم مروگی ناں تو مجھے ضرور بتانا کم از کم تب تو یہ ٹھہرائی پر ہے پس میں میں کوئی

کر کھا تھا۔" اسے پہنچنے کے لیے کوئی ٹھہرائی پر ہے پس میں میں کوئی

یا شادی پ۔" اس نے چڑایا "آؤ گے ناں پھر پہنچوں لے کر ہو۔"

زندگی کے کسی مقام پر ڈھوند کر سماں تابت کرنا تھا۔

سچھی نہ بھی..... اسے زینا عمر کو ہرا کے ذکھار کیا اور ابست جیسے ایسا ہوئے میں جا رہا تھا۔

مجھے تو خوش ہونا چاہے۔ میری ہمیشہ سے یہی تو خواہش رہی ہے کہ میں مجھے عاشر ملک

..... بھی نہ بھی..... اسے میں موند تے ہی جیسے ایک فلم سی چل پڑی۔

آفس سے اپر پورٹ اور پھر پیٹن تک پہنچتے پہنچتے میرا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ لیکن سیٹ کی پشت سے سر زکا کے آنکھیں موند تے ہی جیسے ایک فلم سی چل پڑی۔

خود پر کسی کو حاوی ہوتے دیکھنا میرے لیے تقابل برداشت تھا۔

میں عاشر ملک.... دراز قد، وجہہ ذہن، حاضر جواب، خوش مزاج اور اعلاء تعلیم یافت۔

میں "کچھ۔" ہوں، اس کا احساس مجھے قدم قدم پر دلا یا گیا۔ نتیجتاً میں خود کو

میرے الفاظ کا کوئی عمل بھی ہو سکتا ہے۔

باقر بھائی جان کی طرف سے ملنے والی بماری پاکٹ منی کے باعث میرے ارجمند یاروں دوستوں کا جووم لگا رہتا جو میری خود پسند فطرت کی تسلیکن کرتے رہتے۔ یہ وہ دور تھا جب اپنا آپ منوانے کی تھنا، میری سرکش طبیعت میں دھیرے دھیرے سرماخانے چاہتی۔

شرمیں.....!

میری ماں میں زاد، میری ہم عمر تھی۔ بچپن کا ساتھ تھا۔ شروع ہی سے اکٹھے رُختے، کھلیتے آئے تھے، اسے میں نے اپنے دیگر فرینڈز اور کرنسے کی بھائیں سمجھا تھا مگر جب بائی اسکول میں ہمارے ذی پارٹنر اس الگ الگ ہو گئے تو زندگی میں پہلی بار بمحض کسی کی کمی محسوس ہوئی۔ کام کی پہنچتی ہی میں نے صد کرسرے کے موڑ بائیک فریڈی کے علاوہ اپنی بھائی جان بھی چاہتے تھے ابکار میں جانتا تھا شرمنی کو پہنچانے کی شکری کوئی نہیں۔ اس کی ذات کو یہ خرسونچے سے روکتی تھی کہ اسے قدر شوق ہے۔ اور اب میں چھٹی کے بعد بائیک پر کام کے بیان کے لئے یہ پہنچ کر رہا ہے۔

جہارے گھر ایک ہی بارک میں تھے۔ اس آٹھویں بیان کے روزانہ کے ساتھ نے مجھے اس کی جانب گھنچے پر بھجوڑ کر دیا۔ وہ کس تدریس، میشن اور اکیڈمی پر ہے جو ہر روز اس کا اندازہ پہلے سے بڑھ کر لگاتا۔ اس کے چہرے میں ہر روز اپنے لہنچے ملسوں ہوئی۔ ان کی آنکھیں کتنی نیگاہی، کتنی گھبری ہیں اور یہم کے ان ہرگز نہ گزندگی کے گرد یہ باریک بھجوڑی لائیں اور گلائی ڈورے، اف میں مدھوٹ ہو جاتا۔

کمان دار ابروؤں کے نیچے ابھرے ہوئے سفید پوٹوں پہنچیں۔ ہی یہ مجنون تباہی کا عالم تھا اس کے سارے افراد کے سامنے اور بے حد کھنچ لانی پڑیں، جن کا سایہ اس کے زمیاروں پر لکھا تھا، گول گول بھرے بھرے سرخ اتار کی رنگت والے اس نکے ہمال جن کے دلوں میں جانب پڑھنے کے لئے اگرے سنبور ان کا حسن اور بزمادیتے۔ کتنے روپ بدلتے تھے یہ سنبور، اس کے قتل بننے پر یہ نہرے ذمیل جیسے سدھے دل میں ہی کھب جاتے، نکرانے پر مگر اس نے لکھنے اور تاراضی میں لب تھنچ سے پیچنچ لئے پر بھی زخماوں پر ہوئے ہوئے جانکنے لکھنے۔ چیزوں سا بادہانہ، کھلے کھلے یا تو تیلب، گدر ایا بدن، گداز مرمریں ہاتھ پر، کھنچتی آواز مہکتی باتیں۔

اسے دیکھ کے مجھے اردو شاعری میں پڑھتے ہوئے تمام قصیدے اور تشبیحات یاد آ جاتیں جو میں اس سے کبھی کہہ نہ سکا۔ وجہ ہمت کی کمی نہیں میری ازلی خود پسندی تھی۔

اسے بائیک پر اپنے پچھے بھاک کے میں سمجھتا رہا کہ میں نے اسے فتح کر لیا ہے۔ اسے اپنی ملکیت بھنچنے کی میری یہ خوش نہیں اس وقت ریت کی دیوار کی طرح ڈھنگی بھی اسی جان اسے باقر بھائی کے نام کی انگوٹھی پہنان آئی۔ میں ہنکا بکارہ گیا کیا اس قدر حسین، اچھوٹی چیز پر میرے علاوہ بھی کسی کا حق ہو سکتا ہے، اور وہ بھی باقر بھائی جان جیسے انسان کا، کیا ہے ان میں۔ کون آئی خوبی ہے جس کے بل بوتے پہ شرمنی کے حسن کا قابو فتح کرنے پڑے تھے۔ شکل و صورت، تعلیم و ذہانت، غر کی طرح بھی وہ میرے پلہ نہیں شرمیں۔

میری ماں میں زاد، میری ہم عمر تھی۔ بچپن کا ساتھ تھا۔ شروع ہی سے اکٹھے رُختے، کھلیتے آئے تھے، اسے میں نے دیگر فرینڈز اور کرنسے کی بھائیں سمجھا تھا مگر جب بائی اسکول میں ہمارے ذی پارٹنر اس الگ الگ ہو گئے تو زندگی میں پہلی بار بمحض کسی کی کمی محسوس ہوئی۔ کام کی پہنچتی ہی میں نے صد کرسرے کے موڑ بائیک فریڈی کے علاوہ اپنی بھائی جان بھی چاہتے تھے ابکار میں جانتا تھا شرمنی کو پہنچانے کی شکری کوئی نہیں۔ اس کا سر اپا دل و نظر کے لیے لاکھ پسندیدیہ تھا لیکن میری اپنے اس کی ذات کو یہ خرسونچے سے روکتی تھی کہ اسے میں اپنے میں۔ اپنے زماں میں سے لڑکے حاصل کیا ہے۔ سو شرمنی کو تو میں نے فوراً ہی دل کی منڈ سے اتار دیا کہ آجھی اسکے دل و نظر تک جی پہنچتا ہی رہوں گا۔ روح میں نہیں سماں تھی، مگر ہو جاتا۔

اس احساسی شکست کو نہیں کی سلسلہ سے کمرچ نہ سکا۔

بھائی کھنچنے پر بھجوڑ کر دیا۔ وہ کس تدریس، میشن اور اکیڈمی پر ہے جو ہر روز اس کا اندازہ پہلے سے بڑھ کر لگاتا۔ اس کے چہرے میں ہر روز اپنے لہنچے ملسوں ہوئی۔ ان کی آنکھیں کتنی نیگاہی، کتنی گھبری ہیں اور یہم کے ان ہرگز نہ گزندگی کے گرد یہ باریک بھجوڑی لائیں اور گلائی ڈورے، اف میں مدھوٹ ہو جاتا۔

ایمی تھرے سے کم سال بڑی پڑی۔ اسی بات کی گھبرائی تک اترنا تو دور کی بات دہ تو سرے سے کمان دار ابروؤں کے نیچے ابھرے ہوئے سفید پوٹوں پہنچیں۔ ہی یہ مجنون تباہی کا عالم تھا اس کے سارے افراد کے سامنے اور بے حد کھنچ لانی پڑیں، جن کا سایہ اس کے زمیاروں پر لکھا تھا، گول گول بھرے بھرے سرخ اتار کی رنگت والے اس نکے ہمال جن کے دلوں میں جانب پڑھنے کرتے زیورات، لمبوسات اور زیستی مون وغیرہ کی حد تک اپنے تصور کے گھوڑے دہڑائے ہوں گے اور جھٹ بان کہہ دی جوگی۔

گھر میں عورت کے آجائے کا کوئی احساس اس کی آمد سے نہیں جاگتا تھا۔ وہ دس ساڑھے دس بجے جاتی، جب کہ پورے نو بجے آفس چلے جانا بھائی جان کا معمول تھا۔ ناشتے کی پیٹل پر ہم تینوں ماں بیٹھے ہوتے اور دوپہر کے کھانے پر بھی میں اور امی جان اور بھی صرف اپنی جان پر کیونکہ بارہ بجے ناشتا کرنے کے بعد وہ دو بجے نئے کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتی تھی۔

”ہمارے گھر کا اصول ہے، کچن کا کام صرف گھر کی خواتین کرتی ہیں۔“
”خاموشی سے کھانا کھاؤنا شر! کیا فضول بحث لکار کمی ہے۔“ ای جان نے متوجع
بدمزگی بجاپ کر داخت کی۔

”آپ تجھ میں مت بولیں۔“ میں اپنی نادت کے مطابق ہمیشہ کو طرح درشتی سے بولتا۔
”واہ بڑے اصول اصول رکار کئے ہیں۔ خود کو دیکھا ہے: ہمیں، کیا طریقہ ہے مال
سے بات کرنے کا۔“ اس نے میری بات پکزی۔

”تمہیں کوئی نوکے تو مزے سے کہہ دیتے ہو، مجھے ان گھے پے صد یوں پرانے
اصولوں پہ چلانے کی کوشش کوئی نہ کرے اور خود وسردی کو اصول پرستی کا درس دے رہے ہو۔“
ہمارے درمیان خاصی بے تکلفانہ دوستی رہ چکی تھی۔ اب تو خیر میں اس کی بات کا جواب
بھی رکھائی سے دیتا۔ بلکہ باقر بھائی جان کو اس کے آئے خادمانہ انداز کے ساتھ باتچھے
باندھے منناتے دیکھ کے تو میری جان ہی جل جاتی۔

”شرمین! میرا خیال ہے“ اس دن جیسے اپنے بھائی سے اپنے نوکی ہیں
دیا۔ ای کے کہنے کے باوجود میں نے اپنے بھائی پیارے اپنے بھائی پیارے اپنے بھائی
سے پہنچ کیا تھا۔

”ماجھ..... ماچھ چاہری ہوں ہم میں۔ آپ دیکھنیں رہے عاشر کس طرح پیش آ رہا
تھا مجھ سے اس کیا جائے مجھ سے اس طرح بات کرنے کا، یہ کون ہوتا ہے مجھ پہ زندہ
واریاں عائد کرنے والا اور مجھے یہ بتائے والا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ کیا گھر
میں سب سے بڑا یہ ہے۔ کیوں اتنی بیرونیت دے رکھی ہے آپ نے اسے، کہ یہ مجھ سے
اس گھر کی بڑی بہو سے ہے اپنی بڑی بہا بھی نہیں یوں سوال جواب کر رہا ہے۔ کیا میں نے
نہ کر سکا۔“ ای جان زک کے مجھے تنبیہ نظریوں سے گھوڑتے لکھیں ہم تھا جی انہیں اب اذلی بجا بھی
اور غریبی بہو کی ناراضی کا خدشہ تھا۔ بھائی جان بھی چاؤں سے بھرا تھا منہ۔ تھوڑے کٹے جیسے
نکلنائی بھول گئے اور شرمین کے چہرے کے بلتے بہوں کو تکھنے، غم اب کا ڈیکھ بھی

کہہ دینے کے بعد اطمینان سے سالن ڈالنے لگا۔
”جب کہ میرا خیال ہے اب ہمیں کوئی گک رکھتی لینا چاہیے، آخر تک ہم ای
کی پریزو کرواتے رہیں گے۔“ اس نے بڑے ہی سکون بھرے انداز میں میرا جملہ مجھے لوٹا
دیا اور سلااد کے پتے کترنے لگی۔ اس کے بظاہر عام سے لجے میں پوشیدہ جتا دینے والی
ہٹک محسوس کر کے میں چوک ہیا۔ (ہونہہ تو شرمین بی بی کو بولنا اور وہ بھی سوچ کجھ کے بولنا
آئی گیا)

اب تم پہ اپنے شوق پورے کرتوں گی تم بیا ٹکلک. مجھ سے کہہ دیا کرو، تمہارا جو بھی دل

شام کو الگ ہی تماشا ہوتا۔ اسے ہر روز گھر کے کھانے پسند نہ تھے، وہ ہر دوسرے
دن بھائی جان سے باہر ڈز کرنے کی خد کرتی۔ جب کہ بھائی جان سارے دن کی سر
کھپائی کے بعد گھر سے نکلنے رہ آمدہ نہ ہوتے تھے۔ بھی کبھار تو وہ اس کے بھجو کرنے پر
ٹوٹا کر بنا جلے بھی جاتے اور تجھی بمحی مدد طلب نظریوں سے دیکھنے لگتے۔ جب کہ میں
صف از کار گردیتا۔ اب جب کہ وہ تھن ایک تھیں وہ تھیں، بلکہ کسی کی بیوی،
بلکہ میرے اپنے ہی بھائی کی ملکوہ ہے، مجھے اسے سر پر لادے مارے پھر نے کا
کوئی شوق نہیں رہا تھا۔ وہ خود بھی میری بیوی کی وجہ جانے سے قاصر تھی۔ جب کہ
ہمارے درمیان خاصی بے تکلفانہ دوستی رہ چکی تھی۔ اب تو خیر میں اس کی بات کا جواب
بھی رکھائی سے دیتا۔ بلکہ باقر بھائی جان کو اس کے آئے خادمانہ انداز کے ساتھ باتچھے
باندھے منناتے دیکھ کے تو میری جان ہی جل جاتی۔

”اب تم بھی کچن کو روشن بخش ہی دو، کب تک ہم ایک پریزو کرواتے رہیں گے۔“
جو بات اسے بھائی جان اور ای جان کو کہنی چاہئے اسی دلیل سے میرا جان نے کہنے شروع
نہیں کیا۔ اسے اچاکن ہی پڑا تھا کھانے کی سوچی تھی۔ جبکہ اسی دلیل سے میرا جان نے
جیم، کر کشم، بریڈ اور دلیے کے سوا کسی چیز کو پاٹھے نہیں لے دیا تھا۔ ای جان کو فوراً پر اخانتا رکرا
ڑا۔ اور اب اسے چاؤں نہیں کھانا تھے۔ روپی اپکانے کے لئے ایک کو اٹھتے دیکھ کے میں ضبط
نہ کر سکا۔“ ای جان زک کے مجھے تنبیہ نظریوں سے گھوڑتے لکھیں ہم تھا جی انہیں اب اذلی بجا بھی
اور غریبی بہو کی ناراضی کا خدشہ تھا۔ بھائی جان بھی چاؤں سے بھرا تھا منہ۔ تھوڑے کٹے جیسے
نکلنائی بھول گئے اور شرمین کے چہرے کے بلتے بہوں کو تکھنے، غم اب کا ڈیکھ بھی

کہہ دینے کے بعد اطمینان سے سالن ڈالنے لگا۔
”ہمارے گھر میں آج تک خانہ اس نہیں رکھا گیا۔“ میں نے اسے اطلاع دی۔

چاہے، میں بنادیا کروں گی اپنی بیٹی کو۔“
ای جان نے نرم روی سے معاملہ سمجھانا چاہا۔ مگر وہ شرمن تھی، کروڑ پتی باپ کی ناز
خترے والی بیٹی جس نے اپنی مرضی سے کم پر راضی رہنا سیکھا ہی نہیں تھا۔
”تمہینک یو۔۔۔ پھوپھو! میں جانتی ہوں آپ مجھے سے کس قدر پیار کرتی ہیں، لیکن
ان فیکٹ مجھے یہ آدمیوں کو نہ، قیصر کریلے اور پاؤ وغیرہ: کچھ خاص پسند نہیں اور میری
پسند کی چیزیں، شاشلک، چاؤمن، اسٹیک دغیرہ آپ بنا نہیں سکتیں۔ آپ میرے لاذبے
شک مت انہما یے۔ مجھے ایک بلکر رکھواد بجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔“ اس نے
ترش روی سے جواب دیا۔

اور ایک بخت کے اندر اندر بھائی جان نے گھر میں ایک لگ رکھ لیا۔ بات گوہ بھوپالی
سی تھی لیکن ہمارے گھرانے کے مزانن کے خلاف، ماہوں جان وغیرہ ان لذائوں میں شمار
ہوتے ہیں جنہیں چپر پھاڑ کے دولت اچانک مل جاتی ہے، اتنی لختائی کہ وہ حواس باختہ
ہو جاتے ہیں، تن پر سونا سجائیتے ہیں، امنہ میں اچاندی بھجوئیتے ہیں۔ اور میر پر بھرے، لیکن
چپر پھنا کا پھنا ہی رہتا ہے۔ جب کہ میری اُمی بیانہتے جس خاندان میں آئیں وہاں
چپر کی سلاٹی کا دھمان سب سے سلیے رکھا جاتا ہے۔ اگرچہ ہماری دیشیت نہیں ایک
مقابلے میں کچھ کم تھی لیکن ایسی دگر گوں بھی نہ تھی بس پہنچاں کھانا نہیں اتنا تھا۔ شاہزادی ہے
ابتدائی سال اُمی جان نے کچھ تکنی سے گزارے تھے اُمی یہی پیسے ابیت اور قدر و دیست
کا احساس تھا ان کے دل میں، ابا جی نے دن رات بنت کر کے یہ بُنس سیٹ کیا تھا، اوز
اس کے لاکھ اصرار کے یادوں میں نے اندر آ کے چائے پینے کی بائی نہ بھری۔ میں
نے ساری زندگی کی جنگ جنہیں داخیل ہیں کی تواب کیا کرتا۔ اس لیے
اپنی بھا بھیوں کی طرح سونے میں لدی نظر نہیں آئیں۔ ایک تھامہ دیوں پر بیویوں کی طرح
چون میں معرف نظر آتی۔

انہیں گھر میں جوان خوبصورت بہو کے ہوتے ہوئے بڑے ملاز موڑ کا دندن تھا۔ پھر
خخت گراں گزرتا۔ لیکن مجبوتر تھیں بہو جس طرح کی لے آئی تھیں وہاں اشیش اسمبلی
نوکروں کی تعداد اور زیورات کی مقدار تھی۔ لیکن وہ چپ رہیں۔ بھائی جان بھی چپ تھے
اور وہ دونوں بھی اسی چپ کی توقع رکھ رہے تھے تاکہ عمر کا ماحول ساز گار رہے، کسی
قسم کی کوئی بد مزگی نہ پیدا ہو۔
لیکن میں..... عاشر ملک بھائیں چپ رہ سکتا تھا۔ شرمن بھی یوں بھی قبول نہ تھی
بھیت ایک بھائی کے اور جس طرح کے تیور اس نے اختیار کر کے تھے وہ بھی اور بھی
تلماۓ دیتے تھے میراڑ، ان اس لڑکی کو وہ تعظیم و تکریم دینے سے قاصر تھا جس رشتے کے

حوالے سے دو تینی اس عزت و احترام کی مستحق تھی۔ وہ میرے سامنے آتی، اس کی دیشیت
مرتبہ میرا دل جلا دیتا۔ وہ جس کے حسن سے میں سکھو رہا تھا اب میرے لیے ایک بے
کشش، بذریعہ، سست اور بے حسن عورت بن کر رہی تھی۔
شاید وہ عمر ہی ایسی تھی ہر پر کشش چیز کی جانب دل کھنچا چلا جاتا تھا۔ ریشم کے
معاٹے میں بھی بیکی ہوا۔
”ریشم..... شہود کی بیجن،“
شہود میرا کلاس نیلو، میرا دوست تھا، دیسا ہی دوست جیسا کہ کافی اگدہ میں کسی بھی
یار باش خوش مزاج نو جوان کے دور جن دوستوں میں سے ایک ہوا کرتا ہے۔

اور ایک بخت کے اندر اندر بھائی جان نے گھر میں ایک لگ رکھ لیا۔ بات گوہ بھوپالی
سی تھی لیکن ہمارے گھرانے کے مزانن کے خلاف، ماہوں جان وغیرہ ان لذائوں میں شمار
ہوتے ہیں جنہیں چپر پھاڑ کے دولت اچانک مل جاتی ہے، اتنی لختائی کہ وہ حواس باختہ
ہو جاتے ہیں، امنہ میں اچاندی بھجوئیتے ہیں۔ اور میر پر بھرے، لیکن
چپر پھنا کا پھنا ہی رہتا ہے۔ جب کہ میری اُمی بیانہتے جس خاندان میں آئیں وہاں
مقابلے میں کچھ کم تھی لیکن ایسی دگر گوں بھی نہ تھی بس پہنچاں کھانا نہیں اتنا تھا۔ شاہزادی ہے
ابتدائی سال اُمی جان نے کچھ تکنی سے گزارے تھے اُمی یہی پیسے ابیت اور قدر و دیست
کا احساس تھا ان کے دل میں، ابا جی نے دن رات بنت کر کے یہ بُنس سیٹ کیا تھا، اوز
اپنے بھا بھیوں کی طرح سونے میں لدی نظر نہیں آئیں۔ ایک تھامہ دیوں پر بیویوں کی طرح
چون میں معرف نظر آتی۔

لیکن میں..... عاشر ملک بھائیں چپ رہ سکتا تھا۔ شرمن بھی یوں بھی قبول نہ تھی
بھیت ایک بھائی کے اور جس طرح کے تیور اس نے اختیار کر کے تھے وہ بھی اور بھی
تلماۓ دیتے تھے میراڑ، ان اس لڑکی کو وہ تعظیم و تکریم دینے سے قاصر تھا جس رشتے کے

اس پسمندہ ترین محلے کے بدبو دار مکان میں اس لڑکی کا ہونا تھا جو حیرت انگیز طور پر دلکش تھی۔

”آپ بھی کہہ سکتے ہیں۔“ سانوی سلونی نمکین سی لڑکی نے بے باک ساتھیہ کیا۔

”اور یہ عشرت... اے پیارے ایش کہا جاتا ہے۔“
میں نے بیک و یو مرے اس مہماںوں بھرے چہرے والی بنتے تھے کہ دلبی پتی لڑکی مصنوعات کے لیے ایک خاصا بڑا اسال خریدا تھا اس دن انہوں نے مجھے آرڈر دیا کہ میں کانچ جانے سے پہلے ایک چکروہاں کا لگتا جاؤں تاکہ یہ اندازوں ہو سکے اس اسال کی آرائش کا کام ان کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں۔

”یہ پروں... اے سب پری کہتے ہیں۔“
فریبی مائل، بھٹکنے سے قدر اور بیٹھنے بیٹھنے نقشوں والی اس لڑکی کو دیکھ کے میں نے ان

چند لڑکیوں کو لفت کا اشارہ کرتے دیکھا۔ اگرچہ ان کا سفید یونیفارم، کاندھوں پرے لگائے بیگزاری سے گھنی فاکلز انہیں اسنوٹسک نہیں پڑھ کر رہی تھیں۔ لیکن اس کا پہنچنے والے عورتوں کو خاہر ہے بد تمیز ہی سمجھا جاتا ہے میں نے بھی یہیں پڑھنے تاکہ اس کی جانب دیکھا وہ مجھے پر نظریں

”اوہ بیٹھنے والا شاہ، شہروں بھائی اکے کھوز فرینڈ عاشر ہیں۔“
اس کے ایسا تھا لذت از پریں میں نے بے ساختہ اس کی جانب دیکھا وہ مجھے پر نظریں
کھڑے گاڑے سکرا رہی تھی، اسکی سرخی اسکے جس میں صرف لب ہی نہیں سکراتے، پورا جسم مسکرا کرے۔“

میں نے سوچا۔ قریب سے گزرتے ہوئے پیری سرے ہی سی نظر دا سک جانب اُنھی اور میں چونک اٹھا۔ سفید شلوار قیصیں میں وہ سیاہ چمکتا ہے بولیں پڑھنے پڑھنے پڑھنے۔
لشیں بکھرائے بلکہ میک اپ اور مسکراتے ہوں گے ساتھ وہ وہی مٹھیں سی لڑکی جو میں نے اس دن شہود کے دروازے پر دیکھی تھی۔

”شہروں کی چھوٹی زینت پر رشم۔“

”آپ کو تو اپنے بھر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہو گی، صرف ”ریشم“ کہہ دینا ہی کافی دوڑ آگے رک گئی۔
”میرے بھر بیماریں پرے جملکھلا اٹھا۔“ اس سے میری یہ پہلی ملاقات آئندہ ملاقاتوں کے چاروں لڑکیوں نے یکدم یلغار کر دی۔ میں پڑی را کے ان بیوں پوچھتے ہوئے رہا تھا کہ میرے برابر کا دروازہ کھٹ سے بند ہوا۔ ہمودی میں بیک رکے سرخ و ملی اُنہیں دالے گاہی ہاتھ سے بال سنوارتی وہ میرے برابر تھی مجھے مسکرا کر ہیلو کہہ رہی تھی۔
نڈل کا اس سے دبست ان لڑکیوں کی بے باکی، بے تکلفی، بلکہ دیدہ دلیری واقعی قابل حیرت تھی۔

”میری بہا سے جہاں مرضی خوار ہوتی پھرے۔ مجھے کون سے اے دل کے سکھاں

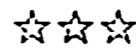
پہنھاتا ہے۔ وہ تو عادی لگ رہی ہے ان تنریحات اور عیاشیوں کی۔ جب اس کے بھائی مرحابہ نہ ہماری تھی۔“

”گونہ خربے نہ فکر تو میں کون ہوتا ہوں سوچنے والا۔“

میں واقعی سنجیدہ نہ تھا اور یقیناً وہ بھی نہ تھی۔ وہ کس تماشی کی لڑکی تھی۔ اس کا اندازو تو

مجھے اس سے پہلی ملاقات میں ہی ہو گیا تھا، کاغذ نام میں یونیفارم میں لمبیں، میک اپ

اس پسمندہ ترین محلے کے بدبو دار مکان میں اس لڑکی کا ہونا تھا جو حیرت انگیز طور پر دلکش



فوری میں اسٹینڈنٹ میں صنعتی نمائش ہو رہی تھی۔ بھائی جان نے ہماری کمپنی کی مصنوعات کے لیے ایک خاصا بڑا اسال خریدا تھا اس دن انہوں نے مجھے آرڈر دیا کہ میں کانچ جانے سے پہلے ایک چکروہاں کا لگتا جاؤں تاکہ یہ اندازو ہو سکے اس اسال کی آرائش کا کام ان کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے یا نہیں۔

عبد مجید روڈ سے میں نے مرن لیا ہی تھا کہ ”برائٹ فوجہ اکیڈمی“ کے آگے کھڑی چند لڑکیوں کو لفت کا اشارہ کرتے دیکھا۔ اگرچہ ان کا سفید یونیفارم، کاندھوں پرے لگائے بیگزاری سے گھنی فاکلز انہیں اسنوٹسک نہیں پڑھ کر رہی تھیں۔ لیکن اس کا پہنچنے والے عورتوں کو خاہر ہے بد تمیز ہی سمجھا جاتا ہے میں نے بھی یہیں پڑھنے تاکہ اس کی جانب دیکھا وہ مجھے پر نظریں ”جان بوجو کر بھی یہ طالبات والا جیہے اونچا جو لیٹیں ہیں۔ تاکہ پویس پنک نہ۔“

میں نے سوچا۔ قریب سے گزرتے ہوئے پیری سرے ہی سی نظر دا سک جانب اُنھی اور میں چونک اٹھا۔ سفید شلوار قیصیں میں وہ سیاہ چمکتا ہے بولیں پڑھنے پڑھنے پڑھنے۔
لشیں بکھرائے بلکہ میک اپ اور مسکراتے ہوں گے ساتھ وہ وہی مٹھیں سی لڑکی جو میں نے اس دن شہود کے دروازے پر دیکھی تھی۔

”بایارا وہ ہی میرے پیر بریک پہ جا پڑے اور کار پیٹھی جو رہا ہے کے ساتھ ان سے دوڑ آگے رک گئی۔
ان چاروں لڑکیوں نے یکدم یلغار کر دی۔ میں پڑی را کے ان بیوں پوچھتے ہوئے رہا تھا کہ میرے برابر کا دروازہ کھٹ سے بند ہوا۔ ہمودی میں بیک رکے سرخ و ملی اُنہیں دالے گاہی ہاتھ سے بال سنوارتی وہ میرے برابر تھی مجھے مسکرا کر ہیلو کہہ رہی تھی۔

”اوہ... یہ...“ میں نے گن انگھیوں سے اپنے برابر تھی اسے دیکھا جو تعارف کا

”یہ بھری ہے، ہم اسے سماشا کہتے ہیں۔“

کئے ہوئے ناز وادا کے جلوے بکھیرتی کوئی ہزار لکی اگر سرکوں پر گھری لفت مانگی نظر آئے تو آپ اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے تو قائم نہیں کر سکتے تا۔

گھر کے وہی حالات تھے، فرق صرف یہ پڑا تھا کہ گھر کے روکے پیچے نہ ہوئے ماحول میں فبد کی سختی سختی قلقاریاں گونجئے لگیں۔ ماں کے مرتبے پر فائز ہو کے بھی شرمن کی فطرت میں شبرا و پیدا نہ ہوا۔ گھر سے عدم دلچسپی، شوہر سے بے زاری اور گھر کے گھٹے ماحول (بقول اس کے) سے نفرت جوں کی تھی۔ اب ایک نخا سا بچہ اس کی لاپرواپیوں کا شکار ہونے کے لیے موجود تھا۔

مدد ☆☆

فبد چار ماہ کا تھا جب اس کے عقیقے کی تقریب منعقد ہوئی اور میں نے پیغمبر پیدا ہے۔ دوستوں کو انواعیت کیا۔ چونکہ گھر یا فوجیت کی تقریب تھی اس لمحے میں پہنچاں ہیں۔ شرمن کے ساتھ مدعو کیا۔ شہود کو بھی "ودیمی" ہی بایا اور یہی میرمن سب پہنچے جانشی تھی۔ مانپی حرکت کی سختی کا انداز دیجئے تب ہذا جب فوجیوں کے ان فنکشن عین موجود دھیان تھا۔ اسے نہ اپنی ماں کی فکر تھی، نہ بھائی کا کرتی وہ ہر کام میں پیش پیش تھی۔ اتنی سریگرم عملیت کی تھی کہ جو اپنے فوجیوں کے دھیان تھا۔ اسی اللہات کا مظاہرہ وہ اپنی جان سے لے لی کر رہی تھی۔ "آنٹی جی، آنٹی جی۔" کرتی وہ ہر کام میں پیش پیش تھی۔

Photo.com

دھیان تھا۔ اسے دوڑان بنی میرے عزیز دھیان تھا۔

اقاریب میں چیلگوں یاں شروع ہو گئیں۔ شرمن بھی کوئی نظر دوں سے اس کے تیور بھانپ رہی تھی۔ بھائی جان بھی ایک دوبار اشاروں اشاروں تیخ لہیز کے بارے میں استفسار کر رکھے تھے، وہ جنہی بار بھی میرے قریب شار ہو جائے جسکے انداز میں آپ نہ ہو گئے اپنے کیا۔

وابستگی موجود نہ تھی۔ یعنی مختلف صنف کی کشش نے باندھ رکھا تھا تو وہ حسرتوں اور محرومیوں کے سائے میں پل کے بڑی ہوئے والی اچھی تربیت سے سکسر ہر دمہ آیے۔

لڑکیوں کی۔ جسے صرف میرے ساتھ گاڑی میں پھرنا، ہونگ کرتا پسند تھا یا کبھی کھمار کے بلکے

چھکلے لکھن جیسے لپ اشک، کیسٹ ہریڈی میڈ سوت، چالکیٹ وغیرہ، نجاتے میری طرح اور کتنے اسے نواز پکے ہوں گے۔ میں نے تو اس بارے میں سوچنا تک بھی گوارانہ کیا تھا۔ لیکن ان میں اور مجھے میں ایک فرق تو یہ تھا کہ وہ بھی ان کے گھر تک نہیں پہنچ سکی: وہ اور نہ ہی بھی اس نے جانے کا خواب ہی دیکھا: وہاں کین شہود کی وجہ سے میں نے از خود

اسے اپنے گھر آنے کا، اپنی فیملی سے متعارف ہونے کا ایک شاندار موقع فراہم کر دیا۔ اس نے اس تقریب میں سیری اپنی جان سے قریب تر ہونے کے لیے اپنی چوٹی کا زور لگایا اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگھے ہی روز وہ مجھے سے رشم کے بارے میں پوچھ چکے کر رہی تھیں۔

"خدا کا واسطہ ہے ای! اپنے طور پر اندازے لگانے کی کوشش مت سمجھئے۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔ شہود میرا دوست ہے اور وہ بس اس کی بہن، میں اسے ٹھیک طرح سے جانتا تک نہیں۔"

"گلتا تو نہیں وہ تو تم سے خاصی فریک لگ رہی تھی۔ بلکہ ہم سب کو ایسا لگا کہ تم نے اپنے بھیور خاص ہم سب سے موانے کے لیے بایا ہے۔"

"میں سمجھ رہی تھیں، بھائی جان سے کہنے پر میں آپ جلا اٹھا۔" کچھ لوگوں کی نادت ہوئی کے ساتھ مدعو کیا۔ شہود کو بھی "ودیمی" ہی بایا اور یہی میرمن سب پہنچے جانشی تھی۔

مانپی حرکت کی سختی کا انداز دیجئے تب ہذا جب فوجیوں کے ان فنکشن عین موجود تھی۔ وہ دیوانہ دار میرے اور گرد منڈلاری تھی۔ اسے نہ اپنی ماں کی فکر تھی، نہ بھائی کا دھیان تھا۔ اسی اللہات کا مظاہرہ وہ اپنی جان سے لے لی کر رہی تھی۔ "آنٹی جی، آنٹی جی۔" کرتی وہ ہر کام میں پیش پیش تھی۔

اپ سب کو ہو کیا کیا ہے۔" میں جانے سے قاصر تھا وہ سب یوں اس کے دیوانے کیوں ہو رہے تھے وہ ان پھرناک حد تک ڈرامہ باز لڑ کی تھی۔

"سلیم تم بتاؤ شہزادی کیا ہوا ہے۔ بلاوجہ اتنے کیوں چڑھ رہے ہو۔ کہیں یہ چور کی داشتی میں تباہی ایں بہت تو نہیں۔" میں سمجھ رہا تھا اپنی جان نے چھیڑا۔ میں اپنے سکلین شیو چہرے تکاف گزز اور دوستوں کی چھیڑ چھاڑ کا نشانہ بننا ڈالا۔ یہ صور تھا میری ہر آنکھ پر بائیں وابستگی سے تعلق ایسا ہی تھا جیسا میراں سے دو دس لجانب ہم کوئی جگہ نہیں۔

"میرے خیال میں بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ کم آن عاشر، اب ان بھی جاؤ کہ وہ تمہارے دوست کی بہن نہیں۔ بلکہ وہ شہود تمہاری دوست کا بھائی ہے۔ یہاں کون ساختاں سماں راہ میں حائل ہے جو تم جھیک رہے ہو۔"

"تم نئی میں مت بولو۔" میں نہیں ہی جھلایا ہوا تھا۔ اس کی دخل اندازی نے مجھے حلقت تک کڑا کر دیا۔ باقر بھائی جان ہمیشہ کی طرح میری بد تیزی پر تیوریاں چڑھا کے رہ گئے۔ میری اس کے ساتھ بد تیزی سے ان کا باؤڈ بھیش خراب ہو جاتا تھا۔

"کیوں..... کیوں نہ بولوں۔ باقر آپ مجھے سے گزر کرتے ہیں کہ میں سب کے

در میان نہیں بیٹھتی، بہتی بولتی نہیں ہوں۔ امی کو بھی یہی شکایت رہتی ہے کہ میں ذیڑھ سال کے عرصے میں کھل مل نہیں سکی، تو بتائیے اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ساری بات آپ کے سامنے ہے۔ ایسا کیا پرنسل معاملہ ذکرس ہو رہا تھا۔ جس میں دخل اندازی کا مجھے حق نہیں، یا میں نے ایسی کون سی معیوب بات کہہ دی جو عاشر بھڑک کے مجھے خاموش کر رہا ہے۔ میرا ہی دماغ خراب ہے جو یہاں چلی آتی ہوں۔ میں اپنے کمرے میں بند ہی ٹھیک ہوں۔ مجھ سے اب گلدست کرتا، الگ تحلیک رہنے کا۔ میرے سب سے کٹ کے رہنے کی وجہ عاشری ہے۔ یہ کب جاہتا ہے کہ.....”

حسب عادت لمبا سا پھر جہاڑنے کے بعد وہ نوے بہانے لگتی۔ امی کے بہانے جہاڑنے سے ہوئے فہد کو اس نے اٹھایا اور اسے کمرے میں جانے لگتی۔ بھائی چاہنے پہنچا رہا تھا لیکن آج یہ سین ہونے پر میں نے شکر کا سانس لیا اکھی میں جاہنگیر میں نے فیض و غصب اسے آگے بند باندھنے میں مصروف امی جان وہ تکلیف ہے ذکر تو بھول جائیں گی اور یہی ہوا کیسی ریشم، کہاں کی ریشم..... وہ سب بھول بھال شرپنگ کو پکڑ کے بخانے لگیں۔

خاتر کر دیا تھا اور وہ دوسری لانے کے چکر میں پہنچا۔ وہنکی مجھے بھی پلٹا۔ خیر امی جان بھی کیا کرتی، ریشم کا جو رویہ تھا۔ اگلی رات کوئی بھی غلط فہمی کا شکار ہو بکتا تھا۔ وہ واقعی خوبصورت تھی۔ حسین تھی اور معصوم۔ اٹھا جاتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن میں انہیں کیا بتاتا کہ ہر خوبصورت نظر آتی تھی۔ ایسی چیز کا احمدی۔ نہیں، ہوتی اور اگر تو پوچھتیں کہ وہ "اچھی" کیوں نہیں تو میں کس منہ کی اتنی اس بھروسہ کو توں نہیں کرتا۔ جب وہ مجھ سے ملی تو اس کے کھلے دلے انداز، لبے باکی اور اب برقی کھنکھنکے بھرے اور کرا دیا تھا کہ میں اس کا پہلا شکار نہیں۔

ریشم سے چھ سات ملقاتوں کے بعد میں جب اس کا حسن بے کش ساختے گئے تھے۔

تم چب رہو شرمن! بات بڑھانے کی کیا خود روت ہے۔ باقر بھائی نے اسے جھز کرنے کی بہت کی دفعہ را بھڑک آئی۔

"شرمن نپچے، کیوں الائسیدھا سوچتی ہو۔ یہ عاشر تو ہے ہی ہڑ بولا۔ تمہیں کیا آج پتا چلا ہے، بھپن سے اسے جانتی ہو پھر بھی اس کی اوئی بونگی باقی دل سے لگاتی ہو۔ بھاہتم کیوں کرے میں بند ہو نہ لگیں۔ تم تو میرے گھر کی پہلی پہلی رونق ہو۔ تمہیں کیا میں کرنے میں بند رکھنے کے لیے لائی ہوں، میرے گھر کی خوشی، میرے آنکن کا جالا۔"

امی جان نے ستر کی دہائی میں بننے والی اردو فلموں میں بونے جانے والے

سارے ڈائیاگ اس بے حس اور اکھڑا کی پلنادیے۔

"میں کوئی شوپریں ہوں، دیکھو یشن کی چیز ہوں، جسے آپ کونے میں کھڑا کر کے روشنیاں بکھریں گے۔ جہاں میری زبان بندی کے حکم ہوں وہاں پیشے کا کیا فائدہ، آپ کو تو ذمی چاہیے، لے آئیں وہی۔ اس کے دوست کی بہن۔ غریب غربا، پھر آبادی کے پہنچنے والی یتیم دسکین سی لڑکی، شادی سے پہلے بھی آپ کے پیر دھو دھو کے پی رہی تھی۔

ایسی ہی کیز نما بیولانی تھی تو بڑے بیٹے کے لیے بھی کسی کچھی آبادی سے چھانی کی بھوتی یا دارالامان سے منتخب کی ہوتی۔ میں اپنے ما پا پا کی لاڈوں پلی ہوں، صاحب خاہید اڑا ہوں۔ میری بیک بھی منبوط ہے اور بیک گرواؤند بھی کسی سے دب کے وہ رہیں جن کی جو بھلکھل کر رہیں۔" نجاشے ایسی پاٹھک وہ کہاں لے ایکھے کے آتی تھی، جو سر سے پیر کن ساگا کے رکھ دیتیں۔ مجھے بھی نیک دل آعم لکھ دیتیں۔" بھائی جان! اگر اس گھر میں کوئی پنچاہ نہیں دیکھنا چاہتے تو خدا کا واسطہ ہے اس کیسی ریشم، کہاں کی ریشم..... وہ سب بھول بھال شرپنگ کو پکڑ کے بخانے لگیں۔

"عاتر! اپنی بیل کی بے عنی میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس ساری چھوٹیں کے ذمہ دار تم ہو۔ صرف تم، ہمیشہ تمہاری وجہ سے ہی گھر کا ماحول خراب ہوتا۔" کیا... کیا... میں جو ہے؟ میں اس اُتر میں پچھلے تھیں سال سے موجود ہوں اور ماحول پر ہے خراب ہونا شروع ہوا ہے اس کے بارے میں آپ بہتر جانتے ہوں۔" نہ ان کا بیوی تھے سامنے ڈالنا پسند نہ آیا۔

"دیکھا آپ نے، یہ تو سونندوں پر بھاری ہے، ایسے تاک کے طنز کرتا ہے۔" "تم چب رہو شرمن! بات بڑھانے کی کیا خود روت ہے۔" باقر بھائی نے اسے جھز کرنے کی بہت کی دفعہ را بھڑک آئی۔

"اپنی اپنی اور بھائی کے سامنے مجھے پر رعب جمانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ میں نصف صدی پہلے کے سڑے ہوئے ساتھی ناول کی بیرون نہیں اور اپنے رعب و جمال کا مظاہرہ کرنے کا شوق ہوتا پھر یوں اس بھی دسی پسند کر لی چاہیں جیسے کہ آپ کے بھائی نے کی ہے۔" وہ گھوم پھر کے پھر سے دہیں آگئی۔" ایسی فتیر نیاں جوئی تلے دب کے رہتی

لر جھگڑ کے اسے ڈے کی تیر سینٹر میں ڈال دیا۔ اب وہ پلے گروپ میں تھا اور تو تی زبان میں اے لی سی اور دن نو کے رئے لگایا کرتا۔ رات کو بھائی جان کے گھر ہونے کی وجہ سے وہ بیچارہ بھی اپنے کھلونوں سے اٹے پڑے کمرے سے آزاد ہوتا۔

میں ایک گھنٹہ اس سے کھمیل کر، باشی کر کے گزارا کرتا یوں۔ اب گھر میں خصوصاً شرمن کے ساتھ میری منہ ماری کم ہوتا شروع ہو گئی۔ یہ شوق اب وہ شوہر کے ساتھ پورے کیا کرتی۔ باقاعدہ بھائی جان بھی شاید تی نویلی دہن کے حمر سے آزاد ہو چکے تھے، آئے دن خوب معز کے ہوا کرتے۔ میں اطمینان سے فبد کو پیٹ پہ بھائے لیثارہتا۔ جاب تو ابھی تک نہ مل تھی، لی الحال میرے کزن نوید نے مجھے ایک آفردی۔ نوید میری پسند اتنی سطحی نہیں، تم کیا، زمانہ دیکھے گا کہ عاشر ملک کی شریک خیات ہر پیاظتے بے مثال ہو گی۔“

میں نے چلتی کیا وہ پیر بختی اندر چل گئی۔“ اسی جان نے

”حد کرتے ہو عاشر! واقعی عورتوں کی طرح پورے بیٹھے جایتے ہو۔“ اسی جان نے سنبھال بے چارگی سے کہا۔

کام کرنے کی بجائے خود کو آذانے کا فیصلہ کیا۔ تایا جان نے اس کے حصے کا سرمایہ رہنے دیتی اور نہیں خود مناسب توجہ دیتی۔ اس شیئی شدائد سے لیے ہوئے سرکھوانے کی مدد اور بھی کام تیزی سے شروع ہوا میں خاتما پر جوش تھا اور نوید بھی... نوید میری عادت و نظر سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ بات بھی میرے لیے سودمند تھی بلکہ اس کے لیے ذرا سی ذمہ داری سے بھی آزاد کر دیا گیا تو وہ گھر میں اتنی بھی دلچسپی نہ لے گی۔ جسٹی کہ اب اس بات کا اس نے خاص خیال رکھا، میں مطمئن تھا۔ مگن تھا..... خوش تھا..... ایک نی بندھی روشنیں لاٹ شروع ہونے جا رہی تھی، گھر کی ٹینشن اب میرے سر پر کرس کر سے کم سوا ہوا کرتی۔

میرے مزاج یہ بھی اس کا خونگوار اثر ہوا۔ پہلے جو میں بات بے بات کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا، اب مقابلی بات سن بھی لیتا تھا اور سمجھ بھی لیتا تھا۔ ظاہری بات ہے کہ اسی جان سے

بیوں گی۔ مجھے سے اوپر جی آواز میں بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔“ وہ تن فن کرتی جانے کو تھی کہ میں نے آدازوی لای کے باز رہنے کے اشارے کو میں خاطر میں نہ لایا۔“ ایک منٹ شرمن پہلے تو میں تمہاری یہ غلط بھی دور کر دوں کہ ریشم سے میرا کسی قسم کا کوئی تعلق ہے۔

اسکی کوئی بات ہے اور نہ ہونے کا امکان ہے، میرا ذوق اتنا گھمیا نہیں، نہ ہی معیار اتنا گرا ہوا ہے۔ تم اپنا یہ نام نہیا د فیملی بیک گراؤ نڈ برائے نام سی جائیداد، اور گھسا پنا حسن و جمال سنبھال کے رکھو۔ جس فیملی بیک گراؤ نڈ کا حوالہ تم دے رہی ہو، شاید یہ بھول رہی ہو کہ میری ماں بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ظاہری کشش کے علاوہ تم میں ہے ہی کہا۔“

میری پسند اتنی سطحی نہیں، تم کیا، زمانہ دیکھے گا کہ عاشر ملک کی شریک خیات ہر پیاظتے بے مثال ہو گی۔“

دو تین سال اور اونچھتے سر کے گزر گئے۔ پیر بختی اندر چل گئی۔“ بھائی جان نے اسی سے بھائی جان کرنے کو کہا تو میں نے بغیر سو سیٹے بھجے انکار کر دیا۔

اگلے چند ماہ تک میں جاب کی تلاش میں معروف رہا، میں نے گھر پہ وقت گزارنا اور بھی کم کر دیا۔ تھیساں دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ میں نے مجھے سے الجھتے الجھتے اور اسی جان کو تک گرتے کرتے اب فبد کے ساتھ بھی رہی تھیں۔“ تا یا جان خود بھائی ایمان سے میری بات کریں گے اور حصہ مانچتے دا!“ پچھے، صدی اور اکھڑ ماں کے روپے کی بھینٹ چڑھتے تھے۔“ وہ نہ تو اسے اسی گھمیاں زیادا ہے۔“

رہنے دیتی اور نہیں خود مناسب توجہ دیتی۔ اس شیئی شدائد سے لیے ہوئے سرکھوانے کی مدد اور بھی کام تیزی سے شروع ہوا میں خاتما پر جوش تھا اور نوید بھی... نوید میری عادت و جب کہ بھائی جان بھی اسی جان کی طرح مخالف تھے، ان کے خیال میں اگر شرمن کو اس ذرا سی ذمہ داری سے بھی آزاد کر دیا گیا تو وہ گھر میں اتنی بھی دلچسپی نہ لے گی۔ جسٹی کہ اب بیٹھے کی وجہ سے لینے پر مجبور ہے۔ حالانکہ یہ ان کی غلط بھی تھی۔ فبد تقریباً اسی طرح پل رہا تھا جیسے کہ عموماً بن ماں کے بچے پلا کرتے ہیں۔

پہلے ایک ڈیڑھ سال تک اسی جان نے ہی اس کی ساری ذمہ داریاں، پوری کیں، اسے نہلانا، دھلانا کھلانا، پلانا، سلانا، پھر اچاک کے سے نجاں کیا خیال آیا کہ وہ اب اسے کم سے کم دادی کے پاس چھوڑنے لگی، دو سال کی عمر میں اس نے بھائی جان سے

تھا۔ میری سیکرٹری رہبکالا رنس میری دامیں جانب بیٹھی تھی، ایک کے بعد ایک امیدوار آتا یا آتی اور میں نے محسوں کیا تھا کہ اندر داخل ہوتے ہی سپ مرعوب سے ہو جاتے۔ ہمارا بزنس ابھی مکمل سیٹ نہیں: داتما، ہماری ساکھا بھی بنتا تھی، لیکن میں نے آفس کی کچھ دھن اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے ایسی کراچی تھی جسے یہ ملک کے ناپ بزنس میں کا ایمپائر ہو۔ یہ سب میری ذاتی تسلیم کے لیے تھا اور واقعی میری تسلیم ہو بھی رہی تھی۔ جب میں کسی کو گرون گھما گھما کے آرائش کا جائزہ لیتے دیکھتا لیکن..... وہ..... اندر آتی۔ بغیر ادھر ادھر دیکھے۔ بغیر میرے کہنے کا انتشار کیے کری سچ کے میرے مقابل بیٹھے گئی اور یوں یوں بیٹھی۔ جیسے کہہ رہی ہو، کہو کیا کہنا ہے میں کیا کہتا، میں تو سوچتا ہی رہا۔

”آخر کیوں۔ کیا بات ہے اس میں۔ کیا وجہ ہے جو میں بار بار الجھ رہا ہوں، چونکہ ہو پایا تھا۔ میں حسب عادت بہتر سے بہترین کی تلاش میں رہتا تھا۔ جیسے ہی کسی درکار کی طرف سے بے طمینانی محسوس کرتا، اخبار میں اشتہار دے دیتا۔ اس دن بھی دلیل داروں کے انڑو یوز نے رہا تھا کہ میری ملاقات اس سے ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر جانے والے افراد اس کے اثر دیکھنے لگے۔ میں اس پوزیشن میں تو نہ تھا کہ سوالات کر چکا تھا۔ وہ خداوندی اسی سے انڈر یوکرنے لگے۔ میں اس پوزیشن میں تو نہ تھا کہ اس سے کچھ پوچھ پاتا، لیکن ہیچ کچھ اگلی طور پر میراڑ ہن اس کے لفظ لفظ کو اندر آتا رہا تھا۔ اور میں نے ہے اعتراف کرنے پہل وقت نہ بگایا کہ وہ واقعی ذہن اور قابل ہے۔ تایا جان بھی اس میں تجھ کی تریخ سے۔

”ذہن اسی سے کیا ہوتا ہے۔ وہ کوئی واحد توہین نہیں ہے۔ ذہانت ہی نہیں۔ کچھ اور بھی ہے اس میں کچھ اور جو چونکار ہے۔ میں اسی اجھن میں کم رہا اور وہ چھٹی۔

”میرے خالی ہے تو یہ محترمہ ہی سوت کرتی ہیں، بلکہ بیٹھ ہیں اب جو عاشر کی مگری سے محفوظ، اسی کی خانگی سے نعمت لگ رہا تھا: نشامیں ایز رہنہ تھے اور سلے چینی کی پھلی پھلی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ فرش پر دینزڈارک ٹرے کا رکٹ، سفید ایکٹنہا پر صادشن سرکل جی کے نادر اور نیمی فن پارے آرائش کے حسین کو چار چاند لگانے کے لامبے ہاتھی۔

آفس کے مالک کے اعلاء ذوق اور اوپنے بینک بیلنس کی بھی شاندی کر رہے تھے۔ ایک جانب رہا بھاری گرے صوفہ سیٹ جس کی سینٹر نیل پیٹھیت کر شل پیز پڑے تھے۔ اونچی منیش چھٹ پر لگے جدید آرائی قائمے ہیشے کی دیوار کے اس طرف بڑی سی آبنی نیل جس کی گlass ناپ پر فون سیٹ، کپیوٹر، فائلز پڑی تھیں۔

ایک جانب تایا جان بیٹھے تھے، جو اتفاقاً ہی آج نوید سے ملنے اور آفس کا جائزہ لینے آئے تھے اور پھر انڈر یو ہوتا دیکھ کے دیکھی سے وہیں بیٹھے گئے۔ ان کے ساتھ ہی رشید صاحب بیٹھے تھے جو موجودہ اسٹاف میں واحد تھے جن پر میں مکمل مجروسا اور اطمینان رکھتا تھا۔ وہ انڈر یو میں میری معاونت کر رہے تھے۔ نوید کی میٹنگ کے سلسلے میں پہلی گیا ہوا

کے بھنی میں اور قریب ہو گیا اور بھائی جان سے چاری سرد جنگ بھی کمزور پڑنے لگی۔ شرمن سے میں نے لائقی اختیار کر رکھی تھی۔ اس کا پچنا اور کم عقلانی جوں کی توں تھی اب بھی وہ بھجے سے بلا وجہ بھختی کی پوشش کرتی رہتی لیکن میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کے جلا جاتی۔ میں اب بھی اسے دیکھ کر اوہ اسے سن کر خاصی گفت کاشکار ہوا کرتا لیکن اب میں نے بقول اس کے نندوں والی طعنہ زندگی بند کر دی تھی۔ بغیر ادھر مکے زبانی کلامی معز کے یاد آتے تو اپنی جذبات پر ہنسی آ جاتی۔

”بزنس کی مصروفیات اپنے عروج پر ہیں۔ ابھی تک تو ہمارا اسٹاف بھی مکمل نہیں ہوا پایا تھا۔ میں حسب عادت بہتر سے بہترین کی تلاش میں رہتا تھا۔ جیسے ہی کسی درکار کی طرف سے بے طمینانی محسوس کرتا، اخبار میں اشتہار دے دیتا۔ اس دن بھی دلیل داروں کے انڈر یو زنے رہا تھا کہ میری ملاقات اس سے ہوئی تھی۔ اس سے دیکھ کے میں چونکہ انہماں حلال نکار اس میں پوزیشن کا دینے والی کوئی بات تو نہیں اسے دیکھ کے میں چونکہ انہماں حلال نکار اس میں پوزیشن کا دینے والی کوئی بات تو نہیں تھی۔ وہ عام سی نہیں تھی۔ عام کا مطلب معمولی ہی ہونا چاہیے نا، یا پھر وسیعی جیسی بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ تو اگر عام کے یہ مطلب نکلتے ہیں تو پھر وہ خاص بھی کیسے ہو سکتی ہے۔

”اخمارہ بائی اٹھارہ کل کرو، باہر کے حدت آئیں ماحصل تیز تر دھوپ، جان لیوا گرمی سے محفوظ، اسی کی خانگی سے نعمت لگ رہا تھا: نشامیں ایز رہنہ تھے اور سلے چینی کی پھلی پھلی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ فرش پر دینزڈارک ٹرے کا رکٹ، سفید ایکٹنہا پر صادشن سرکل جی کے نادر اور نیمی فن پارے آرائش کے حسین کو چار چاند لگانے کے لامبے ہاتھی۔

آفس کے مالک کے اعلاء ذوق اور اوپنے بینک بیلنس کی بھی شاندی کر رہے تھے۔ ایک جانب رہا بھاری گرے صوفہ سیٹ جس کی سینٹر نیل پیٹھیت کر شل پیز پڑے تھے۔ اونچی منیش چھٹ پر لگے جدید آرائی قائمے ہیشے کی دیوار کے اس طرف بڑی سی آبنی نیل جس کی گlass ناپ پر فون سیٹ، کپیوٹر، فائلز پڑی تھیں۔

ایک جانب تایا جان بیٹھے تھے، جو اتفاقاً ہی آج نوید سے ملنے اور آفس کا جائزہ لینے آئے تھے اور پھر انڈر یو ہوتا دیکھ کے دیکھی سے وہیں بیٹھے گئے۔ ان کے ساتھ ہی رشید صاحب بیٹھے تھے جو موجودہ اسٹاف میں واحد تھے جن پر میں مکمل مجروسا اور اطمینان رکھتا تھا۔ وہ انڈر یو میں میری معاونت کر رہے تھے۔ نوید کی میٹنگ کے سلسلے میں پہلی گیا ہوا

کرنے کا خال آیا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ میرے دل نے اسے ”خاص“ تسلیم کر لیا تھا
اور اب دماغ کی کسی تاویل کو وہ خاطر میں لانے پر تیار نہ تھا۔
☆☆☆

”عاشر! آپ یہ اماؤٹ چیک کر لیں۔ اگر ٹھیک ہے تو میں مل“ راوی اینڈ
جیسی ڈوب کے اُبھر نے والی، مدھم مدھم آواز میں نگھٹیوں کا ردھم تھا، نہ آشaroں کا ترم
..... ایسی کشندی ہی لڑکیاں بولیں گی۔ بہت سے لوگ اس سے زیادہ ذہین، اس سے زیادہ
خوش لماں ہوں گے۔ پھر وہ خاص کیسے ہو سکتی ہے۔ منفرد کیسے ہو سکتی ہے۔

لیکن اسے عام بھی نہیں کہا جاسکتا، وہ عام کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کی سادہ سی بے ریا
آنکھوں کے آئینے کتنے شناور تھے۔ ان میں کتنا رعب، کتنا لعنس تھا اور ساتھ ہی

ساتھ کتنی معصومیت بھی۔ کبھی ایسا لگتا ہے کی مفکر کی آنکھیں ہیں۔ کبھی بول لگتا ہے جیسے کی
سادھو کی آنکھیں ہوں، گیان میں ڈولی ہوئی۔ کبھی لکتا کوئی نوزاد ہے جیسے کہ کیا میں آئے
کے بعد اپنی معصومی حیران آنکھیں اپوری کھوئے لظر کر جھٹکھٹک کے سب طرف دیکھ رہا
ہو۔ جیسے ہر چیز اس نے پہلا بار دیکھی ہے تو۔ یہ حیرانی، یہ گیان، یہ سب عام نہیں تھا۔ بہت
خاص تھا۔ بہت خاص۔

اس کے لیوں پر مسکراہت ہر دقت بھی نہیں رہتی لیکن اتنی تباہی بھی نہیں۔ اس
مسکراہت کے اندر کوئی بھید نہیں تھا، جسے کھو جنے میں پتوں، بیت جائیں، اس مسکراہت
میں اتنے رنج نہیں تھے کہ ہر جانب پھول بکھر جائیں، اور اس مسکراہت میں دل گددا۔

دینے والی شوخی بھی نہ تھی کہ ایمان سنجاانا مشکل ہو جائے لیکن اس مسکراہت میں ایک
عمیب سا اپنا بن ضرور تھا۔ وہ صرف مسکراتی..... باں چڑپا مسکراتی، لیکن ایسا لگتا جسے کتنا
بہت اپنے نے، بہت چاہنے والے نے ہاتھ تھام لیا ہو۔ مسکراتا اسے مسکراتا نے پہنچ
چوک کے اپنا ہاتھ دیکھنے لگتا، مجھے یوں لگتا جیسے کیمی لداز بطفتہ سن اسے چھوڑ رہا تھا۔

کب یہ احساس اس دنیا میں کسی اور کی مسکراہت سے ہوتا ہے..... نہیں نا..... تو پھر یہ تم
عام کیسے ہو سکتا تھا۔

”جب آفس میں مردوں کے ساتھ جا ب کرنے میں برائی نہیں تو ہوٹل کرنے
میں کیا برائی ہے۔“

”تمہاری فیملی کو تمہارے گھر سے نکل کے کافی پر اعتماد نہیں تو پھر کسی کنفرانس
ہے۔“

”میں بھی کوئی ایسا دیسا انسان نہیں۔“ وغیرہ وغیرہ لیکن اس نے اپنی مخصوص

ایسے گھرے براون سید ہے بال بہت سی لڑکیوں کے ہوتے ہیں۔ اس کی طرح اور
بھی بہت سی لڑکیوں کی آنکھیں سیاہ ہوتی ہوں گی۔ آنکھوں، بلوں اور نیاک کی بناوٹ میں
بھی کوئی چونکا دینے والی بات نہیں تھی۔ مسکراہت بھی نہ گدگانے والی تھی، نہ موتالیزا کے
جیسی ڈوب کے اُبھر نے والی، مدھم مدھم آواز میں نگھٹیوں کا ردھم تھا، نہ آشaroں کا ترم
خوش لماں ہوں گے۔ پھر وہ خاص کیسے ہو سکتی ہے۔ منفرد کیسے ہو سکتی ہے۔

آنکھوں کے آئینے کتنے شناور تھے۔ ان میں کتنا رعب، کتنا لعنس تھا اور ساتھ ہی

ساتھ کتنی معصومیت بھی۔ کبھی ایسا لگتا ہے کی مفکر کی آنکھیں ہیں۔ کبھی بول لگتا ہے جیسے کی
سادھو کی آنکھیں ہوں، گیان میں ڈولی ہوئی۔ کبھی لکتا کوئی نوزاد ہے جیسے کہ کیا میں آئے
کے بعد اپنی معصومی حیران آنکھیں اپوری کھوئے لظر کر جھٹکھٹک کے سب طرف دیکھ رہا
ہو۔ جیسے ہر چیز اس نے پہلا بار دیکھی ہے تو۔ یہ حیرانی، یہ گیان، یہ سب عام نہیں تھا۔ بہت
خاص تھا۔ بہت خاص۔

دینے والی شوخی بھی نہ تھی کہ ایمان سنجاانا مشکل ہو جائے لیکن اس مسکراہت میں ایک
عمیب سا اپنا بن ضرور تھا۔ وہ صرف مسکراتی..... باں چڑپا مسکراتی، لیکن ایسا لگتا جسے کتنا
بہت اپنے نے، بہت چاہنے والے نے ہاتھ تھام لیا ہو۔ مسکراتا اسے مسکراتا نے پہنچ
چوک کے اپنا ہاتھ دیکھنے لگتا، مجھے یوں لگتا جیسے کیمی لداز بطفتہ سن اسے چھوڑ رہا تھا۔

مجھے احساس ہی نہ رہا کہ اس طرح کسی دوسرے کے بارے میں بے ہیکان سوچے
چلے جانا تو کبھی میری عادت نہیں رہا۔ مجھے تو صرف خود پر توجہ دینے کی عادت تھی۔ میں تو
صرف خود کو سوچتا تھا۔ زینا ہمرفتہ رفتہ میرے حواسوں پر سوار ہو گئی۔ پہلے پہل میں نے
خود اسے موقع دیا، اپنے ذہن اور دل دونوں کو بالکل بے دست دیا کر کے اس کے سامنے
رکھ چھوڑا اور جب وہ پوری طرح مجھ پر، میری سوچوں یہ حادی ہو گئی تو اب مجھے مراجحت

مکراتیت کے ساتھ صرف یہ پوچھا۔

"کیا آپ میرے ساتھ چلیں گے۔ نجی کے لیے۔" میں باکا چلا کا سا ہو کے اپنا سو بال اٹھاتا ہوا اس کے ساتھ ہولیا۔ مجھے اپنے سوالوں کا جواب بس ملتے ہی والا اٹھا اگر وہ بغیر کسی سوال کے میرے ساتھ چل پڑتی تو عام سی لڑکی کہلاتی..... اگر وہ سب اعتراضات دہراتی جن کی مجھے توقع تھی تو..... تو عام تو لیکن اس نے مجھے نجی کی آفر کی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ لیکن کیا واقعی اس سے اس کا خاص ہوتا ثابت ہوتا ہے میں یقینی سے کچھ کہہ نہ سکا۔

اور تب میں حیران رہ گیا جب وہ مجھے لیے کامن روم کی طرف چل آئی۔ نجی آور شروع ہو چکا تھا۔ اسٹاف لمبی سی نیبل کے گرد اپنے نجی باکر زکھو لئے کی تیاری کر رہے تھے۔ میں فوری بوجو پر کچھ تھے۔ کچھ مگر سے لائے تھے۔ کچھ نے آرزو دے کر منگوائے تھے۔ میں فوری بوجو پر کچھ سمجھنے سکا۔ اس نے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "آج عاشر ہمارے گیست ہیں۔" سب نے تالیاں بجا کے میز اخیر مقدم کیا۔ میں بغیر کچھ کہے ایک چیر گھست کے بیٹھے گیا۔ سب سے پہلے زینا نے اپنانی باکس مکھوں پر میرے سامنے کیا۔ نیبل نیکپن میں قیمتی کے پرانے لپٹے ہوئے تھے۔ شیس سرور نے اسے تکمیل چکھا۔ جنہیں یہ پیش کیے جہاں زلٹی تھیں۔ سب نے پرانے لپٹے ہوئے اور اونٹیں شاپنگ پارائے جاتے تھے۔ تو انکا رکھتے سرال جا تھیتے ہیں۔ یوں کوہاں اپنے بیٹھنے کے لیے ہزاروں لاٹھوں شاپنگ پارائے جاتے تھے۔ یہ ہر میئنے بعد ہونے والا ڈرامہ ہے، لیکن آپ ہیں کہ اپنا عاشر کر لیتی ہیں۔ میرا خیال ہے اس وقت بھی آپ کا بلڈنگیا۔ سب سے پہلے زینا نے اپنانی باکس مکھوں پر میرے سامنے کیا۔ نیبل نیکپن میں بڑیانی۔ میں جھینک یو کہتا سب چکھتا رہا۔ زینا اور بانی مجب اور لوگوں کی طرح بے کافی تھے۔

"اوہ بھائی جان خود کہا جائی ہیں؟" میں نے شرمن کے بارے میں بوجھنا گوارانہ کیا ہر باکس میں سے شیر کر رہی تھی۔ میں نے پرانے کا لپٹہ توڑتے ہوئے اسے دیکھا۔
کہ ہر بڑے جھگڑتے کے بعد وہاں کھرے بنے سمیت نکلنے میں دیر نہیں لگا تھی۔
آج میں معمول سے کچھ جلدی گھر آگیا تھا، لائی خانہ ہمہ نہ آن پڑا تھا۔ میں تنے
ذرا دھیان دیا۔ ڈائینگ نیبل پر لگا کھانا بھی جوں کا توں پڑا تھا، بلکہ ایک چھٹی پیشوں میں تو
سالم نکالی بھی لیا گیا تھا، میں حیران ہوتا آٹھے بڑھا۔ شیر نہیں کی کفر نہیں کیا تھا، اسے تو خود بیوی کا علاج
ٹوٹی پڑی تھی۔ میں سمجھ گیا، ہونے ہو شرمن نے کوئی ہنگامہ کیا ہوگا۔ جب تک باقر بھائی جان
اس کے آنسوؤں سے گھبراتے رہے وہ صرف روپیت کر کام چلا تی رہی۔ لیکن جب
ثوے بہانا بے کار جانے لگا تو اب رفتہ رفتہ وہ جاہل عورتوں کی طرح بننے جنکے اور دنگا
فائدہ برپا کرنے پر اتر آئی تھی۔ بلکہ جاہل عورتوں کی طرح کیا وہ خود بھی تو جاہل ہی
تھی۔ صرف نیزک پاس اندر اثر، اور دس جماعتیں بھی اس نے کیسے پاس کی تھیں یہ
میں بھی جانتا تھا۔

ادھر ادھر دیکھتا میں فکر مندی سے ای جان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ایسا کچھ

"بس امی! رہنے دیجئے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کے کہا۔
"میں سب جانتا ہوں جو وقت یوں کی پیچاں کرانے اور ذمہ دار یوں سے
روشناس کرانے کا تھا، وہ وقت بھائی جان نے دین کے لاذ اٹھانے میں گزار دیا۔ اب
جب اپنی منی کرنے اور یہودہ گوئی کی اس کی عادتمی پختہ ہو چکی ہیں، وہ یوں کو
سدھا رنے پڑے ہیں۔ اب تو صرف جنگیں ہی ہو سکتی ہیں، چلیں چھوڑیں، یہ سب
باتیں....."

تعلیم کے معاملے میں تو زینیا کے ہی پاؤں زیادہ ہیں۔ ”دوسرا نکتہ اٹھایا گیا۔ حساب کتاب برابر ہوا
”بس اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کا اندازہ دو جائے آتا تو مجھے پتا ہے کہ اس کے والد ریناڑڈ میجر ہیں، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ آج کل تو پیسے کی ولیوں ہے... عبدے اور پوزیشن کی اہمیت ہے۔“

میں سارے حساب کتاب کر رہا تھا۔ میرا شاطر اور محتاط دماغ میری معافانہ کر رہا تھا اور میرا دل.....
میرا دل دور کھڑا تھے لگا رہا تھا۔

دور کھڑا..... ہاں بہت دور..... زینیا کے قریب.....

”اب آپکے ریلیکس سمجھے، باقی کام میں کروں گی۔“ اس نے فائلز انھاتے ہوئے مجھے مشورہ دیا، شاید میرا خدا ہمارا بار ماقاہ سہلانے لے اس نے اندازہ لگالیا بوکہ میرے سر میں شدید درد ہوا تھا۔

”کیوں کیا نہیں ریلیکس میں کرنا چاہیے۔ آخر تم بھی تو پچھلے دو گھنٹے سے میرے ساتھ ہی اسی پڑا جکٹ کو ڈھونڈ رہی ہو۔“ وہ صرف نظر میں پھر کیے سکرادی۔ میں نے

بلاک اپ کیا۔ ”کیوں نہ کچھ دیر ہم بڑی کی بورڈ سکشنز کو بھول کر ہلکی پھلکی باتیں کر لیں۔ ذہن بھی ہلاکا چلا کا ہو جائے گا اور یہ جوں بھی۔“

”شیور..... ڈھونڈنے والوں نے ہاتھ میں پڑی فائل ایک طرف رکھ دی۔

”تمہارے بھائی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟۔“

کب کر رہا تھا میں تو اپنے لیے ”بہترین“ کا اختیار کر رہا تھا۔ سایلوں ایک بھجے ہمہنگ کی فہرست نظر نہ آئی جس پر مجھے کم از کم بہتر ہونے کا شانہ ہی ہوتا۔ اب زینیا عزرا واحد اسی کی

”بھی میں اس قسم کے جانے کے متعلق نہیں کہہ رہا۔ میرا مطلب ہے تمہاری نیلی، تمہاری پسند، ناپسند وغیرہ وغیرہ۔“

”میں کوئی فلم اشارہ ہوں، جو آپ یہ بہ جانا چاہتے ہیں۔“ اس کے بار بار بات گھما دینے پر میں لگک آگیا۔

”دost تو ہو۔ اور دوستوں کو دوستوں کے بارے میں علم ہونا چاہیے۔“

”دost.....“ وہ جیسے مجھے سے نہیں خود سے پوچھ رہی تھی اور شاید خود سے بھی کوئی

”کیسے چھوڑ دوں، بیٹا تو وہ میرا ہی ہے، شرمن میں بھی غیر تو نہیں اور سب سے بڑھ کے نہد، وہاب بڑا ہو رہا ہے۔ میں باپ کے جھگڑوں سے سہم جاتا ہے، راتوں کو ذر کے جامٹا ہے، کامپتا رہتا ہے۔ ان دونوں کو ذرا خیال نہیں۔“ اس بات کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔ میں نہیں یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کی نکر بھی نہ کریں۔ آخربند مجھے بھی بہت پیار تھا۔

”اب تو تم سے ہی امید ہیں ہیں۔ اللہ کرے تمہاری دلہن اتنی نسبیوں والی ہو کہ گھر میں پھر سے خوشیاں ہی خوشیاں بھر جائیں۔“ انہوں نے وہ ذکر چھینڈ دیا جو کہ آج کل ان کا فیورٹ تھا..... میں ہمیشہ کی طرح چڑا نہیں، میری خاموشی سے حوصلہ پا کے انہوں نے پوچھا۔

”تم باشاء اللہ خود بکھو دار ہو، تمہاری پسند خود بھی قابلِ اختصار ہو گی۔“ انہوں نے کوئی لڑکی پسند ہے بیٹا تو تباہ۔“ ”نہیں..... مجھے.....“ میں شدت سے انکار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آنکھوں کے آنے دوسارہ ہی بناؤت والے بُل سکرانے لگے اور میرا ہاٹھ..... میرا ہاتھ کوئی بڑے پیار سے سبلانے لگا۔

”بولونا۔“ امی جان نے پھر پوچھا۔ ”امی جان بھی سب سچا ہے۔“ ”تو کب سوچو گے....؟“ انہوں نے پیار سے میرے بالوں کو بگاڑا میں سکرا کے رو گیا۔ ”بہت جلد۔“

میں نے واقعی سوچنا شروع کر دیا۔ محبت سوچا سمجھ کے نہیں کی جاتی۔ ہمہنگ میں محبت کب کر رہا تھا میں تو اپنے لیے ”بہترین“ کا اختیار کر رہا تھا۔ سایلوں ایک بھجے ہمہنگ کی فہرست نظر نہ آئی جس پر مجھے کم از کم بہتر ہونے کا شانہ ہی ہوتا۔ اب زینیا عزرا واحد اسی کی تھی، باکردار تھی، اعلیٰ طرف تھی، خوش لباس، خوش مزاج اور خوش شکل بھی، پھر بھی ابھی اور بہت کچھ جانچنا پر کھناباتی تھا۔

”اسے بہت ریکس ابن ریکس نہ کسی، مگر ہمارا ہم پلہ تو ہونا چاہیے۔“ میں نے نمبر ایک پاؤں سوچا۔ ”بُرمن کے مقابلے میں اس کی خوبصورتی کو زیادہ نہ بُرمن میں مل سکتے، لیکن خیر ہے۔

جواب سننے کے بعد اس نے سر بلایا اور مجھے دیکھ کے کہنے لگی۔

"بال دوست..... اور دوست..... کو دوست کے متعلق واقعی علم ہونا چاہیے۔" اے راستے پر آتا دیکھ کے میں اپنے ذہن میں سوال مرتب کرنے لگا کہ وہ بول پڑی۔

"چلیے پھر بتائیے اپنے متعلق آخر دوستی کے پہلے دعوے دار بھی تو آپ ہیں۔" اس نے بڑی ہوشانی سے بال میرے کوڑت میں ڈال دی۔

"کیا بتاؤں؟ گھر میں بس میں ہوں، امی جان ہیں۔ بھائی جان اور شرمن۔" "شرمن!۔"

"بھائی جان کی بیوی....." میں نے مختصرًا بتایا۔

"یعنی آپ کی بھائی....." اس نے شوٹنے والی نظروں سے دیکھا میں شایدی اچکا۔ "یعنی آپ کی بھائی ہوتی ہے۔" میری بات کاٹ کے وہ بول کر کے رہ گیا۔

"اور فبد ہے۔" "فبد!" میں نے اس کی آواز میں داشت لرزش محسوس کی۔

"جیتھا ہے میرا بڑا پیارا سا، کپلو سائیلی۔" میرے سمجھ میں خود بخوبی حلاوت کی آگئی، اسے دیکھا تو اس کی پراشتیاق آنکھوں میں بھی وہی حلاوت تھی۔

"لگتا ہے تمہیں بچے بہت پسند ہیں۔" "بہت بہت زیادہ اور فبد تو میرا پرستی بنتے تھیں کی بہت پیارا ہوئی۔" میں نے شویر کو زہر دے دیا۔ بے شک ایسی چیزیں بزراروں میں ایک کے متعلق ہوتی ہیں۔ لیکن ہوتی توہینے تو سب ہی بچے بہت پیارے ہوتے ہیں۔"

"ہوتے ہوں گے، مجھے تو صرف فبد اچھا لگتا تھا۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔

"اس سے پہلے میں نے بھی بچوں میں دیکھنے نہیں لیا تھا بلکہ اب بھی نہیں لیتا۔ اب فبد کی بات اور ہے وہ تو جان ہے میری۔"

"مجھے تو لگتا ہے آپ اور سب میں بھی اس وابحی کی وجہ سے تھیں۔" اس کے قیاس پر میں نے چوک کے دیکھا۔

"ماں کے بارے میں تو بتانے کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے اور آپ نے بس دو لفظوں میں نہ شادی، اور آپ کی بھائی بھی یعنی شرمن، اس سے تو آپ اچھے خامسے کبیدہ خاطر لگ رہے ہیں۔ اگر میرے اندازے ذاتیات پر حملے کے متراff ہوں تو معدرات چاہوں گی۔ بس یونہی مجھے لگا تو میں نے کہہ دیا۔"

"نہیں نہیں معدرات کیسی، اور ذاتیات کیسی۔ دوستی میں اتنی چھوٹ تو دے دینی چاہیے۔" میں نے دانتہ ہلکے ہلکے سے انداز میں کھا درنہ اس کی غضب کی قافیہ شناسی پر دل نہیں چاہتا گھر جانے کو، پتہ نہیں ای کیسے سارا دن گزارتی ہیں۔

میں کیسے پیر سیست کے چلی گئی۔ ایسا کیا ہو سکتا ہے اس کی زندگی میں جودہ بتانے سے کتنا رہی ہے۔ کچھ تو ایسا ہو گا، جس پر دے ذائقے جا رہے ہیں، تھیک ہے، باپ فوجی بندہ تھا لیکن کیا پتا کسی سمجھنے جرم کے سلسلے میں کوڑت مارشل ہو چکا ہو..... جاب کرتی ہے تو پھر ضرور مالی حالت خندش ہو گی۔ لیکن وہ نئے ماڈل کی کار، رکھ رکھاؤ، وہ اعلیٰ طور اٹھوار پھر ضرور کوئی اور مجبوری ہو گی..... ہو سکتا ہے کوئی نہ کوئی بھائی نشے کا عادی ہو۔ جرام پیشہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے اس کی فیلمی معروفیت ہو۔ اور.... اور.... یعنی ممکن ہے وہ کسی ناکام شادی کا تجربہ رکھتی ہو اسے ایم بی اے کیے ڈھائی تین سال ہو رہے ہیں۔ اگر شو قیہ جاب کرنا ہوتی تو توبہ بھی کر لیتی۔

”لو میں نے تو سب بتا دیا اس کے غلازو، اور بتانے کو پہنچنے کے بعد میں نہیں، دوست بس نوید ہے اور اب تم جسرو، وہ کائنات، اسکوں کی تباہیت اتوی دوستیات کا نئے کے ساتھ ہی ختم میں زیادہ دوست بنانے کا قائل بھی نہیں، اب تم بتاؤ اپنے متعلق۔“ میں زینیا عمر... پاپا عمر فازوق غلبی نے پیارہ روز بھروسہ تھے۔ چھ سال پہلے ان کی وفات ہوئی۔ ما کو گزرے تو سال ہو چکے ہیں، میں نے ایم بی اے کیا ہے۔ عمر چھ بیس سال، قد پانچ سو فٹ چار انج۔ پسندید: رنگ سفید، پسندید: بھول سوتا اور پتھلی، کھانے میں بزیاں پسند ہیں، آنس کریم اور حاث بھی اچھی لگتی ہے۔ داؤں ستر بیان بینی نہیں ہے۔ فورث ایک شر بریڈ پٹ، ایک شرس گیروں ڈیانلے نکر“

اس ذلن وہ جیسے بمحض پیدا وے کر نکل گئی تھی، میں بعد میں کافی دریک شپشا تا رہا۔ اپنی عادت کے خالیہ میں خود کسی کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہوا اور پھر اس کی مسٹر ابٹ اور گبری ہو گئی، ٹلکیں جلک گئیں۔ جسجد بھول کے مسکراتی تو نہ گاہیں خود بخوبی جھیک جاتیں۔ اور وہ یوس سر بیاتی جسے اپنی مسٹر ابٹ سے ٹھوک کھنکا لے جو بھی ہے۔ ”تم کسی قلی کا وہنڈ ڈاؤں، میں اپنے فیزی کے سواؤں کے یونہی بھوکھے ہیں۔“ میں نے تم سے یہ سب نہیں پوچھا تھا۔

”کیا کروں، میری لاٹھ میں بتانے لاٹھ کچھ ہے ای نہیں۔“

”یوں کہو، میں اس لاٹھ نہیں۔“ میں نے دانتے غفلی جتائی کہ شاید اس پر میری تار افسکی بھرے جملے کا کچھ اڑ ہو، لیکن وہ خاموش رہی تو میں نے ہار کے صرف اتنا کہا۔

”یعنی میں دوستی کا صرف پہلا ہی نہیں، واحد اور آخری دعوے دار بھی ہوں۔“

”جو سرضی سمجھ لو۔“ وہ بے پرواں سے کہتی اپنی نائل اٹھا کے چل پڑی تو میں یقین و تاپ کمان کے رو گیا۔

”عجیب سمجھنی لازمی ہے۔ پہلے اپنائیت جتا کے مجھ سے سب اگلوالیا اور اب اپنی باری

اور زینیا! مجھے تو اس بچے کے نصیبوں کا خیال آتا ہے جو ماں باپ کے جھگڑوں کی بدولت وقت سے پہلے براہور ہا ہے۔ اس کے چہرے پر سال کی سخیدگی اور ملال نقش ہو گیا ہے۔“

”لو میں سانس لینے کو رکا، اس کے اپنے چہرے پر ملال اور تائف صاف نظر آ رہا تھا۔ مجھے خود پر حیرت ہوئی میں کس طرح اس کے سامنے نکل گیا۔ کیسے وہ اتنے کم دنوں میں اتنے قریب آ گئی کہ میں عاشر ملک، خود کو سینت بینت کر رکھنے کا عادی، اپنی ساری پرنسی اس کے سامنے کھولنے لگا۔ میں تو اس کی ذات کی گری ہیں کھولنے بینما تھا اور وہ باتوں باتوں میں مجھے کھول گئی۔“

”لو میں نے تو سب بتا دیا اس کے غلازو، اور بتانے کو پہنچنے کے پیچھے نہیں، دوست بس نوید ہے اور اب تم جسرو، وہ کائنات، اسکوں کی تباہیت اتوی دوستیات کا نئے کے ساتھ ہی ختم میں زیادہ دوست بنانے کا قائل بھی نہیں، اب تم بتاؤ اپنے متعلق۔“ میں زینیا عمر... پاپا عمر فازوق غلبی نے پیارہ روز بھروسہ تھے۔ چھ سال پہلے ان کی وفات ہوئی۔ ما کو گزرے تو سال ہو چکے ہیں، میں نے ایم بی اے کیا ہے۔ عمر چھ بیس سال، قد پانچ سو فٹ چار انج۔ پسندید: رنگ سفید، پسندید: بھول سوتا اور پتھلی، کھانے میں بزیاں پسند ہیں، آنس کریم اور حاث بھی اچھی لگتی ہے۔ داؤں ستر بیان بینی نہیں ہے۔ فورث ایک شر بریڈ پٹ، ایک شرس گیروں ڈیانلے نکر“

”اشتاب اٹ جسٹ اشتاب اٹ“ میں نے پیسہ دیت اٹھا کے اسے دھکنی دی۔ اس کی مسٹر ابٹ اور گبری ہو گئی، ٹلکیں جلک گئیں۔ جسجد بھول کے مسکراتی تو نہ گاہیں خود بخوبی جھیک جاتیں۔ اور وہ یوس سر بیاتی جسے اپنی مسٹر ابٹ سے ٹھوک کھنکا لے جو بھی ہے۔ ”تم کسی قلی کا وہنڈ ڈاؤں، میں اپنے فیزی کے سواؤں کے یونہی بھوکھے ہیں۔“

”کیا کروں، میری لاٹھ میں بتانے لاٹھ کچھ ہے ای نہیں۔“

”یوں کہو، میں اس لاٹھ نہیں۔“ میں نے دانتے غفلی جتائی کہ شاید اس پر میری تار افسکی بھرے جملے کا کچھ اڑ ہو، لیکن وہ خاموش رہی تو میں نے ہار کے صرف اتنا کہا۔

”یعنی میں دوستی کا صرف پہلا ہی نہیں، واحد اور آخری دعوے دار بھی ہوں۔“

”جو سرضی سمجھ لو۔“ وہ بے پرواں سے کہتی اپنی نائل اٹھا کے چل پڑی تو میں یقین و تاپ کمان کے رو گیا۔

”عجیب سمجھنی لازمی ہے۔ پہلے اپنائیت جتا کے مجھ سے سب اگلوالیا اور اب اپنی باری

خود ہی چھیڑ دیا۔

"عاشر! اگر آپ اپنے اس دعوے پر اب تک قائم ہوں تو کیا میں آپ سے ایک سوال کر سکتی ہوں؟"

مینگ برخاست ہونے کے بعد سب ہی کیمین سے نکل گئے۔ لیکن زینا وہیں موجود تھی۔ اس کے پوچھنے پر میں نے پچھلے آدھے گھنٹے کے دوران چوہی بار سلماً یا ہوا سکریٹ ایک طرف رکھ کے کہا۔

"اول تو میں دعوے کرتا ہی نہیں اور اگر کروں تو دستبردار نہیں ہوتا۔"

"اس کا مطلب ہے میں سوال کر سکتی ہوں۔"

"نہیں اس کا مطلب ہے فی الحال تم صرف جواب دعویٰ کر سکتی ہو۔" "اوہ یعنی جوانی کا روائی؟" چھڑا ہی جھٹی نظر والی نگے ساتھ ہمہری ہو ہیں میں دعوے نہیں کرتی عاشر! پہنچنے صدر در لاٹی ہوں۔ آجاہم اس نے نظریں

"اس موکنگ تو خیر آپ کرتے ہی ہیں، لیکن آن پرچمہ زیادہ ہی ہو رہی ہے۔ اب پیزرا یہ مت کہنا کہ پریشانی کی وجہ سے....." اس نے ہاتھ پہنچا کر سلے ہی واسخ کر دیا اور میں

"اور اگر داعی ایسا ہے تو کیا تم مجھ سے اپنی پریشانی شیر نہیں کر دے گے۔" وہ پھر سے "آپ۔" سے "تم۔" پڑا ہمی۔ میں ایک بار پھر ٹریپل ہو گیا اور بتانے لگا۔

"ای کی طبیعت کل سے کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔ رائٹر کو ہمارا سپلائی ایمٹ کرانا بہت بی پی خاصا ہائی ہو گیا تھا۔ ذا کرٹر کا کہنا ہے فالج سماں اذمیر ہے۔ اس لیے ہمیکا گدوں کے نئے نئے کا آبزرویشن رکھا ہے۔۔۔ صبح بھی میں وہیں سے آریا ہوں۔ مینگ رکھ کر دراں بھئی اور میان ای کی جانب ہی لگا رہا۔"

"کون سے ہاپل میں ہیں؟"

"ڈاکٹر زہاپل....." میں نے منتشر ابتدایا اور مجھے بالکل گمان نہ تھا کہ وہ شام کو واقعی نہیں دیکھنے آجائے گی۔

میں آفس سے جلدی انٹھے گیا تھا اور پچھلے چار ٹھنڈوں سے امی جان کے ساتھ تھا۔ باقر بھائی جان بس صبح آدھے گھنٹے کے لیے کھڑے گھرے آئے تھے۔ ان کی چیتی بیوی کو تو کل سے اتنی توفیق بھی نہ ہوئی تھی، میں شاید آفس بھی نہ حاصل کر سکتا اگر تایا جان کی نیملی نہیں دیکھنے نہ آ جاتی، تائی امی اپنی بڑی بھوکے ساتھ وہیں رک گئیں اور میرے آنے تک انہوں نے

امی جان کا خاصا دھیان رکھا۔ جاتے جاتے وہ بھی شرمن کی لاپرواہی اور بے حصہ پر سو

باتیں سناتی گئیں۔ میراجی مکدر ہو گیا۔

"اوہ بہ، چند گھنٹے یہاں بیٹھنا کیا پڑ گیا۔ جیسے ہمارے گھر پر تنقید کرنے کا حق ہی حاصل ہو گیا ہے انہیں۔"

"بھا بھی نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی۔" امی نے منفائی پیش کی۔

"اور وہ جو کہا جا رہا تھا کہ رفتہ تم نے بھوکو سر چڑھا رکھا ہے۔ باقر کی لگائیں کھینچ کر رکھو۔ یہ کوئی طریقت ہے وغیرہ وغیرہ۔ انہیں کیا حق ہے ہمارے پرنس معااملات دیکھ کر نے کا۔"

"یہاں اکوئی پرنس معااملہ ان سے الگ بھی نہیں ہاں کا ہم سے ناشر بچے! زندگی یوں بہت سے بھکھنے کے نہیں گز رہی۔ تم اور باقر کل کو میرے بعد کیا یونہی ایک دوسرا سے کرنا چاہو گے کیا تھا لہا فندہ پر ما قریباً تھماری زندگی پر کوئی حق نہیں رہ جائے گا۔ وہ بھی اس تباہی کے مردمِ الٰہ کے بھائی ہم کھڑا ہے۔ دیکھ لو وقت پر اپنے ہی کام آتے ہیں۔ بھلے اٹھاتے ہوئے کہا۔

امی جان نے ہمیشہ کی طریقہ مجھے رشتہوں اور ان کی اہمیت و افادیت کے بارے میں پیکر دینا چاہا۔ میں نے بور ہو کر ان کے لیے سیب کا ناشروع کر دیا۔

"پیزرا امی اسکے نتھتھا تو خاموشی بنتے لیٹ جائیے۔ آپ کی طبیعت نہیں۔" "آچاٹک میرے نہ نظر میں دواز ہے۔ پڑی۔ اٹھ کھلے بے آواز دروازے میں وہ زیزیا تھی، جو بی پی خاصا ہائی ہو گیا تھا۔ ذا کرٹر کا کہنا ہے فالج سماں اذمیر ہے۔ اس لیے ہمیکا گدوں کے نئے نئے کا آبزرویشن رکھا ہے۔۔۔ صبح بھی میں وہیں سے آریا ہوں۔ مینگ رکھ کر دراں بھئی اور میان ای کی جانب ہی لگا رہا۔"

واتھی اس کا یہاں آتا میرے لیے غیر متوقع تھا، لیکن مجھے اتنی زیادہ اور بے ساختہ

خوشی ہو گی، یہ خود میرے لیے زیادہ غیر متوقع تھا۔ شاید میرے چیرے پر، میرے لہجے میں خوشی کے رنگ اتنے واضح تھے کہ چٹک چٹک کے ان دنوں پر جاگرے۔ ناشناسی نظریوں سے اسے دیکھتی امی جان بھی میرے چیرے کو ٹکنے لگیں اور خود زینیا بھی اس سورتحال سے محبوبی ہو کے پڑا ہو گئی۔ میں نے جلد ہی خود پر کنٹروں کیا۔

"امی! یہ زینیا غریب ہیں، میرے ساتھ آفس میں ہوئی ہیں۔ بہت ذہین بہت قابل اور بہت....."

"چھپی بودت ہیں۔" اس نے میرا جملہ کمکل کر کے مجھے یوں دیکھا۔ جیسے جمارتی ہو" لواب دعویٰ کمکل ہوا۔" "آؤ بیٹی! یہاں جیھوں،" امی نے فوراً اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ اور کچھ ہی دیر میں وہ امی سے یوں باتیں کر رہی تھیں جیسے انہیں عرصے سے جانتی ہو۔ امی نے اپنی عادت کے مطابق سب سے پہلے گفتگو کارخانے پر میکے کی جانب موڑا۔ "کشمیری خاندان سے تعلق ہے میرا۔ میری امی تو اللہ بنخشن اصلی کشمیری خاتون تھیں۔ بعد میں والد صاحب لاہور آ کے بس گئے۔" "ارے آٹھی! بجیب اتفاق ہے کہ میرے ماں پاپا بھی کشمیری قیمتی سے ہیں، لیکن ملک کے تھے۔" "امی کہوں اپنی اپنی لگک رہی ہو۔ وہ لمبے، وہی پتوں کا جال ہے۔ اسی ایسی ہم ذات، ہم سلسلہ خواتین سے مل لے کے ہیشہ نوشی ہے۔ وہی تھیں یوں تو اس ذات پات کے آپ تھک آ جائی ہیں۔ آپ کی خدمت نہیں کیا پیش کیا جائے؟" میں نے تھک طہانیت سی محسوس ہوئی۔

"تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟" "جی ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ویسے وہ میرے۔ اور اس کی پیچے وقت پامیٹھیں"

"اوہ.....! بہت افسوس ہوا۔ دیکھو ذرا، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے اور ماں باپ دونوں کے سامنے سے محرومی، خیر اللہ بڑا ہے نیاز بچھنیخانے کیا کیا لے کر کیا کیا نواز دیتا ہے۔ اور تمہارے ہم بھائی کتنے ہیں اور کیسے ہیں؟" پھر حضور مسیح شادی شدہ ہیں یا بھی پڑھ رہے ہیں۔" امی نے باقاعدہ انہوں نیوں سروں کو پریشان تو نہیں کرنا جی میرے دونوں بھائی بڑے ہیں جسے ہے۔ میرزا ہیں، ایک کنیڈ میں بھوکچھیں۔" "چھا اچھا، اور کرتے کیا ہیں دونوں؟" میں نے کوہت سے امی جان کو دیکھا جو طبیعت کی خرابی وغیرہ سب بھولے مزے سے سوال پر کہ رہی تھیں۔ زینا کے چہرے سے ذرا نہ لگ رہا تھا کہ سوالوں سے تھک آ رہی ہے، اس کے لبوں پر وہی پرس زندگی مسکراہٹ تھی۔

"بڑے بھیا یورڈ کریٹ ہیں امیں گریڈ کے آفیسر اور دوسرے کنیڈ ایں پاکستانی ائمیں میں ہوتے ہیں۔"

اس کے بتانے پر میں ایک بار پھر اسے دیکھنے لگا۔ وہ اسی طرح پر سکون انداز میں اپنے متعلق بتا رہی تھی۔ اس نے پہلے کبھی ہاکا سا اشارہ تک نہ دیا تھا کہ اس کے دونوں بھائی زیادہ مرد ممالے اور کمی بند کیا ہے۔ تھک کم کرنے کو کہا ہے، یہ تو نہیں کہا کہ دنیا کی ہر

اتنے اوپنے عبدوں پر نائز ہیں۔ ایک بیورڈ کر لسی میں اعلاوگر یہ آفیسر تھا، دوسرے فارن مشری میں تھا۔ میں نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ بلیک اینڈ وائٹ کنٹراست کے کائن کے شلووار قیصہ میں لمبیں، بلیک شال اور زندہ، بیوروں میں بلیک کینوس شوز، کانوں میں بلکے سے گولڈ کے ناپس، تاک میں چمکتی سفید لوگ، سادہ مانگ کے ساتھ کھجڑ کے بنائی چوٹی، بغیر کسی میک اپ کے گھر بیلو سے طبیعے کے ساتھ وہ اس وقت میرا چھوڑا ہوا۔ مطابق سب سے پہلے گفتگو کارخانے پر میکے کی جانب موڑا۔

"کشمیری خاندان سے تعلق ہے میرا۔ میری امی تو اللہ بنخشن اصلی کشمیری خاتون تھیں۔ بعد میں والد صاحب لاہور آ کے بس گئے۔" "ارے آٹھی! بجیب اتفاق ہے کہ میرے ماں پاپا بھی کشمیری قیمتی سے ہیں، لیکن ملک کے تھے۔" "امی کہوں اپنی اپنی لگک رہی ہو۔ وہ لمبے، وہی پتوں کا جال ہے۔ اسی

لے میں بھٹکتے تھے ہوں پھل کھا کھا کے۔" انہوں نے شکایتا کہا۔

"سوپ نے پھل کھب تار پیش، دلیہ کھانے سے آپ کو اب کافی آتی ہے۔ پھل کھا کھا کے آپ تھک آ جائی ہیں۔ آپ آپ کی خدمت نہیں کیا پیش کیا جائے؟" میں نے تھک آ کے کہا یاری کر دیا اسے کھانے پینے پا یہی خزرے کیا کر لیتھیں۔

"تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟" "جی ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ویسے وہ میرے۔ اور اس کی پیچے وقت پامیٹھیں"

"ان کی پسند کی چیز یہ، کرچی، بینگن کے پکوڑے، قیمه بھرے کر لیے۔ ماں کی دال، مولی کا پر اخہا... ان کی پسند و یکمہ اور ایک نظریہ امی جی کی روپریس پڑا لو۔" میں نے سامنے سے محرومی، خیر اللہ بڑا ہے نیاز بچھنیخانے کیا کیا لے کر کیا کیا نواز دیتا ہے۔ اور تمہارے ہم بھائی کتنے ہیں اور کیسے ہیں؟" پھر حضور مسیح شادی شدہ ہیں یا بھی پڑھ رہے ہیں۔" امی نے باقاعدہ انہوں نیوں سروں کو پریشان تو نہیں کرنا پڑا۔ جب یہ چیزوں نے شکھ تو آپ نے بھی ہزاروں بار انہیں بد پر ہیزی پڑو کا ہو جا، تھی سے منزہ تھت چیزوں سے دور رکھا: وہا۔ گا خراب ہے، آس کریم نہیں کھان، زکام ہے کوکڑ ہر کس نہیں پینا۔ اٹی گندی چیز ہے، سوتیں سے دانتوں میں کیڑا لگ جاتا ہے۔ زیادہ پخت کھانے سے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ....." اس کے یوں گنوں نے پائی بس پڑیں۔

"تو اب میری باری ہے۔"

"بالکل، پر ہیز تو تھیک ہے، لیکن یہ بد رنگ سوپ اور دلیے حلق سے نہیں اترتے، ڈاکٹر نے زیادہ مرد ممالے اور کمی بند کیا ہے۔ تھک کم کرنے کو کہا ہے، یہ تو نہیں کہا کہ دنیا کی ہر

نعت حرام ہو گئی ہے مجھ پر۔

"چلیں آج رات کا کھانا میں بھیجتی ہوں آپ کے لیے اور کل سک تو شاید آپ

ڈسچارج ہو جائیں گی۔ کیوں ناشر؟"

"انشاء اللہ، بس ابھی ڈاکٹر آتی ہیں تو پتا چل جائے گا، لیکن تم پلیز کھانا بھیجنے کی

ستکلیف مت کرنا۔ ای کا کھانا تھا پہلی میس سے آتا ہے۔"

"تکلیف کیسی۔ واکنگ ڈسنس پر میرا گھر ہے، بالکل قریب ہی میں تو یونہی شبلتے

شبلتے آجئی، اچھا آجئی اب اجازت دیجئے۔ میں چلتی ہوں۔"

"چلو، میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

"میں نہیں، آجئی اکیلی ہیں، میں چل جاؤں گی۔"

اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ کھانے نہیں پڑا۔ اس نے ماٹھ پاٹھوں کوں کرائی

کے سامنے رکھا۔

"یہ دیسی مرغی کی بینی میں کچڑی رکائی ہے۔ میں اسے بالکل نہیں، اور تسلیم بالکل م

چھوڑنے کے بجائے ویاں سے نکل آتا۔

مرغی کے ہی بالکل ذرا ذرا سے پیس گر کے ملکر ہے ہیں۔ اور یہ میں بزری بالکل

چیز نکال کے پیش کی۔

"اوہ سیہرے لیے کچھ نہیں لا سیں؟۔" مجھے سخت بھولک محسوس ہو رہی تھی۔

"سوری، اگر میں کچھ اور لالی تو پکر آجئی سے یہ کھانہ نہیں کھل ہو جاتا۔"

"کچھری تو واقعی بہت لذیذ ہے۔" ای کے رغبت کے کھانہ بھی نہیں آیا۔

اسنے میں باقر بھائی احائک اندر داخل ہوئے، وہ حیرت سے ای کے قریب ہی بیٹھا

پہنچی زینا کو دیکھ رہے تھے۔ تو میں ان کے عتیقہ میں اب تھا جائیدادیں

تکلفی سے پہنچی زینا کو دیکھ رہے تھے۔ تو میں ان کے عتیقہ میں اب تھا جائیدادیں

دوں کے پیچے کی کوڈ حونڈ نے گی پھر مایوس تی ہو کے پوچھیا۔

"فبد نہیں آیا۔"

سب کے ساتھ ساتھ میں بھی متوجہ ہو گیا۔ شرمن کی تو باقاعدہ تیوریاں جنہے

جنہیں وہ چاری خود شرمند ہو گئی۔ سب کے تاثرات دیکھ کے پھر اپنی جیسپ مٹانے کے

لیے کہنے لگی۔

"در اصل عاشر اکثر ذکر کرتے رہتے ہیں اس کا اور ابھی آجئی نے بھی اس کی اتنی

پیاری پیاری باتیں بتائیں کہ میرا دل اسے دیکھنے کو چاہئے لگا۔"

"بچوں کا ہاپیل میں کیا کام، ہزاروں طرح کے جرأتم بوتے ہیں، اسے کیا ساتھ
لا کے بیمار کرنا تھا میں نے۔"

شرمن بیک کے بولی، تن فن کرنے اور چھاچھا کے بولنے کی اسے ایسی بڑی بیماری
ہو گئی تھی کہ اب وہ نارمل لبجے میں تو بات کرہی نہیں سکتی تھی۔ ہم سب تو نادی تھے لیکن کسی
انجمن کے سامنے اس کا ایسا چھبھتا لبجہ بڑا محسوس ہوتا تھا۔ میں نے بھی زینا کی گجراء ہٹ
محسوس کر کے اسے اسی کے لبجے میں جواب دیا۔
"امی کو کوئی چھوٹت کی بیماری تو نہیں ہے۔"

"میں چلتی ہوں۔" وہ ای کی جانب بھی تو ایک نانے کو وہ کچھ سمجھے ہی نہ سکیں۔ پھر
جیسے نہیں بھیج کر اس کا باتھا چوم لیا۔ اس کا پیارا لینے کا یہ انداز شرمن کو اور سلما گیا۔ خود وہ
الن کی بہو اور بھائی بھائی نے کے وجود بھی تریکھ تک بیٹھنا گوارانہ کرتی تھی۔ اس کے
مانے کے بعد ابھی تھا۔ تھا۔ اس کرنے میں بخشن سی محسوس ہونے لگی میں زینا کو گھر
چھوڑنے کے بجائے ویاں سے نکل آتا۔

اوہ سیہر کرہی تھی۔ صرف بارچ منٹ کی داک ہے، جی دن میں اس کا گھر تھا۔ چھوٹا
مرچ کے بغیر ہے، اسٹیم کی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ یہ پیٹکھی جھیجھی۔ لیکن اسکے ایک
چیز نکال کے پیش کی۔
شکار ہو گیا تھا۔ اتنے اوچے پر ہوں والے بھائی اور بہن اس پارچے مرلے کے، چند لاکھ کی
مالیت والے مکان میں رہتے ہے۔ اتنا یقین تو مجھے تھا کہ کم از کم اس کے بھائی وہاں نہ
درستے ہوں گے۔ گھر کے باہر نہ تھی سرکاری افسر کے نام کی پلیٹ تھی میں نہیں سفارت
کار کی پوری تھیں سرکاری نمبر اپلیٹ۔ اسی مرشدیز یا بھیرد کے بجائے زینا کی اپنی مزدا
پہنچنی لائے کی ہوں میں چالی گھنٹے دیکھ کے میں نے پوچھا۔
وہ تم یہاں ایسی رہتی ہوئی؟۔"

"میں پھوپھوس گئی ہوں گی، اس لیے میں ڈپلی کیٹ چالی لے آئی۔" اس نے
گیٹ کھولا اور اندر جانے سے پہلے مکرا کے تجھے دیکھا۔

"اوکے عاشر! گذشت، آجئی کا خیال رکھنا۔" وہ فوراً اندر چل گئی اور دھڑے
گیٹ بند ہوا۔ بیک کی آواز سے لاک لگا اور میری کپٹیاں گھنٹے گئیں۔

"ویری روڑ، کم از کم مجھے ایک کپ کافی تو آفر کر سکتی تھی۔" میں نے اس کی بے
نیازی پہنچاتے ہوئے سوچا۔ مجھے کافی کی اتنی طلب نہ تھی۔ جتنا کہ میں اس کے بارے
میں زیادہ سے زیادہ جانے کی خواہیں رکھتا تھا۔ میں سب جانتا چاہتا تھا، سب کچھ، مجھے

اپنے تمام سوالوں کے جواب چاہیے تھے۔ میں اپنے ہر دھم کی تسلی کرنا چاہتا تھا۔
شاید میں اندر سے اب تک وہی امکیور، جذباتی سا عاشر ملک تھا۔ جس نے ایک بار
شر میں کے تاؤ دلانے پر بڑے چیخ بھرے انداز میں کہا تھا۔
”میری پسند کی ہوا تک نہیں لگ سکتی تمہیں۔“

”تم کیا۔ زمانہ دیکھے گا عاشر ملک کی شریک حیات۔ ہر لمحاظ سے بے مثال ہوگی۔“

”میں صرف ”بہترین۔“ کے لیے بناؤں۔“
اس بات کو عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن میرے کہیں اندر یہ چیخ اب تک کمسار با تھا اپنا
راپ منوانے کے لیے۔ اس دور کی باتوں کو بچنا کہہ کر جھٹلا دینے والا میں اب تک اسی
جدبادیت کے زیر اثر تھا۔ شر میں سے قطع اعلق اور ہر طریق کی لاپرواٹی بر تھے، ہاؤ دھمی
کرنے والا میں دانستہ ہر بات میں اب بھی اس کا مقابلہ کیا تھا۔ اس سے کسی
زمانے میں ریشم کے حوالے سے بخوبی جو طنزی باشیں بھی تھیں میں لاشخواری طور پر اب
تک ان کے زیر اثر تھا اور دوبارہ بھی یہ طنزی سننے کی بخشیدنی کر رہا تھا۔

میں زینیا سے متاثر تھا، اسے پسند کرنے لگتا تھا، اسے اپنا بھی چاہتا تھا، لیکن ہر
طرح سے مطمئن ہونے کے بعد... اس کے ہر طریق سے کامل اور ”بہترین۔“ ہونے
کے لیے ابھی تک بہت سی ایسی باتیں تھیں جو جانکی تھیں اسی کی خالیتی

عادات درکھر کھاؤ، قابلیت و ذہانت کا قائل تھا۔ اس کے لیے بیک گراونڈ سے وائس
بو چکا تھا لیکن اس کا اپنے بھائیوں سے کٹ کر رہا بھی شک و شبہات میں بتلا کر گیا
بمحض اور کئی طریق کے وہم ستانے لگے۔ اسی بے چینی آنہجہ اثر میں اگلے ہی روز آفس
میں پھر اس سے پوچھ رہا تھا۔

”تم نے بھی بتایا نہیں کہ تم ماشاء اللہ تھے اتنے ہمدردے تھے کہ بھائیوں کی رکاوتوں
بہن ہو۔“

”اس بات کا نہ تو میری جاپ سے تعلق ہے اور نہ ہی ہماری دوستی سے.... بھر میں
ذکر کیوں کرتی...؟ بلکہ عاشر صاف باٹ تو یہ ہے کہ ان کا بھی سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ اس
لیے اس تکلیف وہ ذکر کو رہنے دیں۔“

وہ اس موضوع سے فوراً ”کھبراً انھی۔“ اس کی آنکھوں کی جوت مدھم پڑ گئی۔ اب
وہ آنکھیں کسی جوگی کی آنکھیں تھیں۔ سب کچھ تماگ دینے والے جوگی کی۔ میں نے کہا
تجھا نا یہ آنکھیں عام آنکھیں نہیں تھیں۔ پل پل رنگ بدلنے والی۔ تیور
بدلنے والی۔

”کیا وہ تمہارے سے گئے بھائی نہیں؟۔“ میں نے قیاس کیا۔ بوسکتا ہے زینیا۔ بھر
صاحب کی دوسری بیوی کی اولاد ہو۔“
”سمجھے..... وہ استہزا یہ بھی۔“ وہ دونوں سمجھے ہیں.... سمجھے.....
”تو پھر تمہارا اس طرح ان سے الگ، اکیلے رہنا، مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔“ میں نے
کر دینا جاری رکھا۔

”مجھے سمجھ نہیں.....“ اب وہ آنکھیں کسی ملے میں کھوئی برا سال بھی کی آنکھیں
تھیں۔ شاید میں اور بھی کچھ پوچھتا۔ شاید وہ اور بھی کچھ بتائی۔ لیکن اتنے میں نوید کی آمد
نہ ہم دونوں کو یہ موضوع بدلتے پہ بجور کر دیا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی بے چینی اور
طریق پر قابو نہیں پار رہی۔ مجھے کسی غیر معمولی بات کے ہونے کا اندازہ خبردار کرنے لگا۔
آنکھیں اب پہلے سے کافی بہتر تھیں۔ اب پہلے میں قابلِ ذاکر زکی دو روز تک ٹریننگ
نے انہیں پہنچنے کر دیا تھا۔ کچھ وہ بھی اپنا دھیان رکھنے لگی تھیں۔ پہیزی کھانا کھایا
جاتا، شام کو اپنے میں کھینچنے بھی کرتیں۔ سب زینیا کے اس روز کے پھر کا اثر تھا۔ اس شام
انہیں سلسلہ ندی سے بستر پر پہنچے دیکھ کے میں شکوہ کا۔

”کہاں کھل بٹھ پہنچنے اور کسی بیماری۔ میری جان کو تو ایک ہی روگ لگا ہوا ہے
اور یہ اپنے اپنے تھا۔“ اس کے ہر طریق سے کامل اور ”بہترین۔“ ہونے

کے لیے ساتھ ابھی تک بہت سی ایسی باتیں تھیں جو جانکی تھیں اسی کی خالیتی
آپ نے پھرے جان کی شنسن کو سر پر سوار کرنا شروع کر دیا۔“

گلتا ہے زینیا کے پھرے کے اثرات کم ہونے لگے ہیں۔ اس سے کہوں گا ایک ڈوز اور
دو چکا تھا لیکن اس کا اپنے بھائیوں سے کٹ کر رہا بھی شک و شبہات میں بتلا کر گیا
بمحض اور کئی طریق کے وہم ستانے لگے۔ اسی بے چینی آنہجہ اثر میں اگلے ہی روز آفس
میں پھر اس سے پوچھ رہا تھا۔

”تم نے بھی بتایا نہیں کہ تم ماشاء اللہ تھے اتنے ہمدردے تھے کہ بھائیوں کی رکاوتوں
کو کہا باری میں ہے۔ نہ کوئی ناولاد اُنہوں نہیں، اس دنیا کی تو لکھتی ہی نہیں۔“

”اپنے میں بناوں گا، آپ اسے مرغ کی غلوت کہہ رہی تھیں۔“

”چل ہٹ..... گمراہ یہ ضرور کہنا میں اسے یاد کر رہی تھی۔ تاکید کرنا کسی روز
بہت سارے وقت کے لیے مجھے سے ملنے گھر پا آئے۔ کاش.... کاش میری کوئی اس جیسی
بیٹی ہوتی۔“ بڑے عرصے کے بعد امی جان کو اپنی بھولی بسری خواہش یاد آئی۔ میں کہتے
لیے اس تکلیف وہ ذکر کو رہنے دیں۔“

”وہ اس موضوع سے فوراً ”کھبراً انھی۔“ اس کی آنکھوں کی جوت مدھم پڑ گئی۔ اب
وہ آنکھیں کسی جوگی کی آنکھیں تھیں۔ سب کچھ تماگ دینے والے جوگی کی۔ میں نے کہا
تجھا نا یہ آنکھیں عام آنکھیں نہیں تھیں۔ پل پل رنگ بدلنے والی۔ تیور
بدلنے والی۔

”ایسی بارکت، سعادت مند بچیاں ہی تو گھر کی روشن ہوتی ہیں۔ اسی بچیوں کا
وجود نہت ہوتا ہے۔“ وہ حسرت زدہ لہجے میں کہتی رہیں اور میں سوچتا رہا۔ ”یہ روشن، پہ
نعت اب بھی ہمارا نیب بن سکتا ہے۔“ میں منتظر ہرہا کہ شاید وہ باتوں میں کوئی

مطلب ہے۔ ایک بختہ ہو گیا ہے، اسی کے پاس اور کوئی ناپک ہی نہیں۔ زینیا، زینیا

ہور ہا ہے۔ ”اس بات کا تم سے کیا تھا؟“ کیوں بے کار میں الجھنا شروع کر دیتی ہو۔ عادت اللسان رہیں، بیوہ ہو کے میں اٹھ گیا۔ یہ سب تو میں پہلے سے جانتا تھا۔ بہر حال اگلے ہی روز میں نے اسی کی خواہش ضرور زینیا کے سامنے دہرا دی۔ وہ کچھ نہ بولی صرف نیچیں جھکائے، سر کو بلکل ہلکی سی جبش دیتے ہوئے مسکراتی رہی۔ مسکراتی رہی اور میں... میرا ہاتھ... وہ کس... وہ اپنا سیت... وہ شندک۔

”عasher! تم نے زینیا کو کہا نہیں کہ گھر آئے۔“ اسی نے پوچھا۔

”کہا تھا امی!“ میں نے فبد کو گود میں باٹھاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر وہ آئی کیوں نہیں۔ آج اتوار ہے۔ آج ہی آجائی۔“ تم نے دھنگ دیتے ہوئے

”آسے الکٹریٹ کے اسی ہے ہوائے کرنے کے بعد گھر سے نکل گیا۔ گھنٹوں بے مقصد بھی نہیں ہو گا۔“

”مجھ کو اسی بڑکوں پر دوڑا لئی تھا کہ بعد میں تھکے ہوئے وجود اور شل ہوتے دماں کے ساتھ گھر اُب اور کس ڈھنگ سے کہتا۔“ میں زیج ہو کے بولا۔

”مگر غرما تھے ہوئے، ہاتھ جوڑتے ہوئے، اللہ کے دلائل دیتے ہوئے۔“

”شر میں نے لاوٹ خیں داخل ہوتے ہی اپنی کڑوی لذیذ بان کے جو ہر انکے، میرا حلقت کڑواز ہر بیوی، گڑگڑا نے، ہاتھ جوڑ نے اولاد اللہ کے دلائل دیتے ہوئے۔“

”عasher! خدا کے لیے بیٹا.....!“ وہ میرے تیور دن ہے ڈر گئی تھیں۔

”آتنا عرصہ ہو گیا، باقر کے آفس سے کوئی درکار ہے تک نہ کرنا یا نہ کرنا۔“ میں نے منونیت سنبھل کے اس نے پھر بے مجھے بھر کانا چاہا۔

”آتنا عرصہ ہو گیا، باقر کے آفس سے کوئی درکار ہے تک نہ کرنا یا نہ کرنا۔“ میں نے جتنی بچے میں کہا۔ فبد نے آگے بڑھ کے اس کی انگلی تھام لی۔

”رک جائیں نا آئی! - اتنا مزا آ رہا ہے۔“

”مزا“ میں نے اور ادھر شر میں کو ڈھونڈنا چاہا۔ بھلا اس کے ہوتے ہوئے کیا مزا آ سکتا تھا۔ وہ تو صرف ”مزا چکھانا۔“ جانتی ہے۔

”باقر اور شر میں کو حمید بھائی کی طرف جانا تھا۔ آج ارمین کے دن رکھنے اور ماڑ مہ کہہ کے مانا تھے تا دلا گیا تھا۔“

”ہونبہ، جیشیں ہو گی تو اپنے گھر ہو گی۔“ وہ اس سے زیادہ کیا کہہ سکتی تھی۔ ”میں تو صرف اتنا جاننا چاہ رہی تھی اس طرح ایک غیر لڑکی کے لیے اتنی بے تابی دکھانے کا کیا

ایسا اشارہ دیں، اس کے ہوائے سے مجھ سے کوئی رائے طلب کریں۔ اسے اپنی بہو کے روپ میں دیکھنے کی خواہش کا انکیار کریں۔ لیکن وہ صرف اس کی تعریفوں میں رطب اللسان رہیں، بیوہ ہو کے میں اٹھ گیا۔ یہ سب تو میں پہلے سے جانتا تھا۔ بہر حال اگلے ہی جگہ کائے، سر کو بلکل ہلکی سی جبش دیتے ہوئے مسکراتی رہی۔ مسکراتی رہی اور میں.... میرا ہاتھ... وہ کس... وہ اپنا سیت... وہ شندک۔

”کہا تھا امی!“ میں نے فبد کو گود میں باٹھاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر وہ آئی کیوں نہیں۔ آج اتوار ہے۔ آج ہی آجائی۔“ تم نے دھنگ دیتے ہوئے

”آسے الکٹریٹ کے اسی ہے ہوائے کرنے کے بعد گھر سے نکل گیا۔ گھنٹوں بے مقصد بھی نہیں ہو گا۔“

”مجھ کو اسی بڑکوں پر دوڑا لئی تھا کہ بعد میں تھکے ہوئے وجود اور شل ہوتے دماں کے ساتھ گھر اُب اور کس ڈھنگ سے کہتا۔“ میں زیج ہو کے بولا۔

”مگر غرما تھے ہوئے، ہاتھ جوڑتے ہوئے، اللہ کے دلائل دیتے ہوئے۔“

”شر میں نے لاوٹ خیں داخل ہوتے ہی اپنی کڑوی لذیذ بان کے جو ہر انکے، میرا حلقت کڑواز ہر بیوی، گڑگڑا نے، ہاتھ جوڑ نے اولاد اللہ کے دلائل دیتے ہوئے۔“

”عasher! خدا کے لیے بیٹا.....!“ وہ میرے تیور دن ہے ڈر گئی تھیں۔

”وہ ملازم نہیں ہے۔ بہتر ہو گا اپنی یہ سرمایہ دار اور زمیندار تھم کی سوچ بدلو۔“ تعلیم تم حاصل کر بھی لیتیں تو تمہارا کچھ نہ گزرتا۔ لیکن بدلتے وقت کے تھانے تک تمہارے ذہن کو ہوانہ نہیں لگا رہے۔ وہ جتنی کوئی فائیڈ اور جیکس ہے تم اس کا اندازہ تک نہیں لکھ سکتیں۔

”میں نے دانستہ اس پر زینیا کا تعلیم یافتہ ہونا جلتا یا تھا۔“ اصل میں اس کا اسے معمولی درکار اور ماڑ مہ کہہ کے مانا تھے تا دلا گیا تھا۔

”ہونبہ، جیشیں ہو گی تو اپنے گھر ہو گی۔“ وہ اس سے زیادہ کیا کہہ سکتی تھی۔ ”میں تو صرف اتنا جاننا چاہ رہی تھی اس طرح ایک غیر لڑکی کے لیے اتنی بے تابی دکھانے کا کیا

”چاچو....! آپ بھی بس.....“ وہ کھلکھلانے لگا ”بلا و کس بھی کوئی کھاتا ہے۔ آئی نے گرم پانی میں وکس محوی۔ میرامنہ اس پر کر کے زور زور سے سانس لینے کو کھا اور میں نمیک ہو گیا۔“

”اور اگر یہ گرجا گرم پانی میں، کون سی ختم حکیم آئی آئی تھی، میرے بچے پر تجربے کرنے کے لیے۔“

”کوئی نہیں شرمن.....اوہ تو زینیا آئی تھی۔ میری خیریت دریافت کرنے فبد کو گھر سے نکلا ہی کیوں۔ اگر مجھے ذرا بھی یاد ہوتا کہ شرمن کو تقریب میں جانا تھا تو میں اس یافہت بھیجا ہوا چھٹی کا دن گھر پر انبوائے کرتا۔ لیکن اس وقت اس سے فرار کے علاوہ اور کچھ سو جھا بھی نہیں۔“

”اوہ تو آخر منٹ ساجت کر کے عاشرا سے لے ہی آیا۔ دیے سوچنے کی بات ہے، ناس پر جنہیں کبھی گھائے کا سودا کیا تو نہیں۔ پھر اس لڑکی سے ایسا کیا منباذ وابستہ ہے جو پیار نظر آئے ویس کھنچتا ہے۔ ان معصوموں سے زیادہ محبت کی پیچانہ اب ہے: وہی اور زینیا تو ہے ہی سر سے بیر تک محبت سے گندھی ہوئی۔“ اسی نے پھر ہاتھ سے اس کے قصیدے پر ہدایت شروع کر دی۔

”کم از کم قبیع صحیح تو ہر بھنپ بکواس بند رکھا کرو۔“ باقہ بھائی جان نے زور سے کپڑے میز پر چھا۔ ”تم کیوں دوسروں کے مخالفات میں دخل دیتی ہو۔ جب کہ خود تمہیں اپنے کسی معاملے میں دوسرے کی دخل انہی کی پسند نہیں۔ یہ صرف تمہارا گھر نہیں۔ یہاں کون کسی پر ہے اپنے بھائی ہے کوئا اس کو اپنیت دیتا ہے۔ یہ سب تم سے اجازت لینے کے بعد نہیں دیجے ہوئا۔ اب بھائی جنہیں خوبی کافی تھے۔ کچھ اس لیے بھی میں خاموش رہتا تھا۔

”اگر تم یوں میری بے عنیگی نہ کرو تو شاید میری بھی کوئی حیثیت بن پائے، اس گھر میں لیکن میں یوں ہوں تمہاری بھی دوڑتھم..... تم مجھے بھی ذلیل کرنے پر تلے ہوئے ہو۔“

”تمہاری جھنپیں ہی ذلیل کروانے والی ہوئی ہیں۔ تم خود دوسروں کو ذلیل کر دی تو ہوں۔ ایک پر فیکٹ لیڈی، آئیڈیل بیوی اور پسندیدہ بہو۔ اگر نہیں نہ پہنچا کو ایسا ہی پانے بد لے میں نہ لداشت ہی حاصل کرو گی۔“ وہ ناشتے سے اٹھ گئے۔

”شرمن نے لی پاٹ ہاتھ کے دھکے سے نیل پالنا گرم گرم چائے اچھل کے فبد تک سے اٹھ کے اس کی طرف لپکے۔ کرے کی طرف جاتے بھائی جان بھی لپٹ آئے۔ شرمن فتح ہوتے چہرے کے ساتھ اٹھی اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ پھناتی بھاگ گئی۔ فبد دکھ کے باقہ بھائی نے ناشتے کی نیل پالنا کیا تو اس نے جواب دیا۔ ”شرمن حق پھاڑ کے رورہا تھا۔ میں نے اس کا ریشمی بالوں سے ڈھکا سر ٹولا، کسی چوت یا زخم کا سلاس پر حام لگاتے لگاتے زک کے اسے دیکھنے لگی، پھر اس کی سوالیہ نظریں مجھے سے ہوئی ایسے جاری کیں۔ اسی کی بد مرگی سے خائف تھیں، بوکھلا کے انہوں نے موضوع بد لنا چاہا، لیکن میں نے شرمن کو چڑانے کے لیے فبد سے پوچھا۔

”لگتا ہے خوب گھڑ جو گیا ہے۔“

”فبد ہے ہی بہت اچھا، بڑا پیارا.....“ اس نے جھک کے فبد کا گال چوما۔ ”میں پھر آؤں گی، فبد سے ملتے۔“

اس نے بچے کو وعدہ سے بہلا یا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میں گھر سے نکلا ہی کیوں۔ اگر مجھے ذرا بھی یاد ہوتا کہ شرمن کو تقریب میں جانا تھا تو میں اس یافہت بھیجا ہوا چھٹی کا دن گھر پر انبوائے کرتا۔ لیکن اس وقت اس سے فرار کے علاوہ اور کچھ سو جھا بھی نہیں۔

”فبد تو یوں ھل مل گیا جیسے وہ اس کی گلی ہو۔“ مجھے محبت کا ہوتا ہے۔ جہاں پیار نظر آئے ویس کھنچتا ہے۔ ان معصوموں سے زیادہ محبت کی پیچانہ اب ہے: وہی اور زینیا تو ہے ہی سر سے بیر تک محبت سے گندھی ہوئی۔“ اسی نے پھر ہاتھ سے اس کے قصیدے پر ہدایت شروع کر دی۔

”لیچے بھی ایک ملاقات کا نہ اتر انہیں تھا کہ بیب و پھر سے آپ و اشارت کر گئی۔“

”میں نے اتنا ہر اکتا ہے: وہ لمحے میں کہا، لیکن اندر ہے سے اول خوشی سے بھر رہتا۔“ ”خوشی..... کیسی خوشی..... کسی اپنے کن، دل پر ہے بہت نہ یہیں۔“ میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو سارا کریڈٹ مجھے ہی ملنا چاہیے۔“

”پاپا! کل جو آئی آئی تھیں، انہوں نے مجھے وکس اس طرح لگائی کہ میری بھائی ایک دم سے ھل گئی۔“

”نہیں دنوں سے یعنی میں جکڑن اور بند ناک کی تکلیف میں بتلا فبد کی طبیعت نمیک دکھ کے باقہ بھائی نے ناشتے کی نیل پالنا کیا تو اس نے جواب دیا۔ ”شرمن سلاس پر حام لگاتے لگاتے زک کے اسے دیکھنے لگی، پھر اس کی سوالیہ نظریں مجھے سے ہوئی ایسے جاری کیں۔ اسی کی بد مرگی سے خائف تھیں، بوکھلا کے انہوں نے موضوع بد لنا چاہا، لیکن میں نے شرمن کو چڑانے کے لیے فبد سے پوچھا۔

”ارے کہیں چچے بھر کے کھلاتو نہیں ذالی۔۔۔“

☆☆☆

اس روز سارا وقت میرا مسڑ خراب رہا۔ روکے فبد کی سکیاں یاد آتیں۔ میں مٹھیاں بھینچ کر رہا تھا انہی گھر جاؤں اور فبید کے ایک ایک آنسو کا بدله اس سے لوں، اس سے... فبد کی ماں سے... اور یہ خیال مجھے سوت کر دیتا۔ جو بھی تھا بہر حال اس کی ماں تھی اور میں بھنض چاچوں، وہ میری نسبت اس پر زیادہ حق رکھتی ہے۔ ”تم اب کچھ زیادہ ہی انجھے انجھے سے رہنے لگے ہو؟“ ”میرے مسلسل عدم دچکی ”تمہیں اور کوئی کام نہیں میرے بارے میں اندازے لگانے کے علاوہ۔“ میں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ ہمیشہ میرے اندر سے بات اٹھوانے نہیں کامیاب ہو جاتی تھی اور جب بھی میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا اس کو تھی۔

”درست اندازے۔“ اس نے بڑے سکون سے تھی۔ ”تمہاری انجمان کا بہبہ خدا ہے۔ اس نے پوچھا نہیں، بتایا اس کے لئے ایسے درست اندازے پر میں تمہارا بھرادر۔“ ”فبد، فبد کیوں۔ وہ نہما سا بچہ کیسے میری پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔ تم زیادہ سائیکارٹ بنتے کی کوشش مت کرو۔“

”یعنی تم کہنا چاہتے ہو کہ تم سائیکل ہو۔“ ”واٹ ڈولی میں۔“ میں پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔ ”میں تم سے صرف بات کر رہی ہوں اور تم مجھے نوکھل بھیجے ہو۔ کہ میں ایسا نہ کروں۔“ ”کیونکہ میں سائیکارٹ نہیں ہوں اس کا مطلب تو یہی بدانہ ہے۔“ ”ایک کارٹ کی ضرورت ہے۔“ ”میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم میرے بارے میں جو اندازے لگاتی رہتی ہو۔ وہ درست نہیں۔ عاشر ملک کو سمجھنا اتنا آسان نہیں۔“ ”اوکم آن، تم کوئی بحاجات نہیں؟ ایک سیدھے سادے کھلی کتاب کے جیسے ناری سے فرد ہو۔“

”سید حاسادا، ہا کھلی کتاب ہاہا۔“ میں دل میں خوب ہسا۔ ”اچھا تو اس کھلی کتاب میں کیا لکھا ہے۔“ ”پہلا نام تو تمہارا اپنا ہے، یعنی سب سے زیادہ محبت تم خود سے کرتے ہو۔“ میں نے پوری کوشش کی کہ میرے نثارات چہرے پر ظاہرنہ ہوں۔

”دوسرا نام ”امی“ ہیں، اور تیسرا نام فبد کا ہے۔“ اتنا کہہ کے وہ رکی مسکرائی۔ میرے تنے تنے اعصاب کو اس قسم کا مس پر سکون کرنے لگا۔ کیا کبھی کسی نے کسی مسکراہٹ کا مس محسوس کیا ہے۔ میں نے کیا ہے۔ ہزار بار کیا ہے۔ ہزار بار جب وہ مسکراتی ہے۔

”تم ان دونوں کی وجہ سے پریشان ہو سکتے ہو۔ لیکن چونکہ امی کی اکثر پریشانیوں کا حل تمہارے پاس ہے یا یوں کہہ اوکہ تم ان کو کم کرنے کا اختیار رکھتے ہو اس لیے میں فبد کا نام لے رہی ہوں کیونکہ تمہاری پریشانی میں ایک طرح کی بے بسی مچل رہی ہے جیسے تم پہنچاتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر پا رہے۔“

”لیکن میں کروں مگر ضرور۔۔۔۔۔۔“ میں ہمیشہ تسلیم ہے شک نہ کیا، لیکن انکار بھی نہ کر سکا۔ اس کی قیافہ نشانی کا میں ایک بار پھر قائل ہو چکا تھا۔

”واتھ فبد لے کے وجوہ یہ ہے شرمن کا مسلک! ہونا مجھے تکلیف دیتا تھا، وہ مجھے پیارا الگتہ خدا ہے۔ اس نے پوچھا نہیں، بتایا اس کے لئے ایسے درست اندازے پر میں تمہارا بھرادر۔“ ”فبد، فبد کیوں۔ وہ نہما سا بچہ کیسے میری پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔“ ”تم زیادہ سائیکارٹ بنتے کی کوشش مت کرو۔“

”کچھ نہ کچھ تو گرنا چاہئے رہیا۔ میں آج تک باقر بھائی جان اور زینیا کے تعلق کو سمجھنیں پایا۔ دونوں ایک دوسرے سے بیزار ہیں۔ لیکن ایک دوسرے سے مسلک بھی میں پہنچنیں دیکھ رہا تھا۔“ ”کیونکہ میں سائیکارٹ نہیں ہوں اس کا مطلب تو یہی بدانہ ہے۔“ ”ایک کارٹ کی ضرورت ہے۔“

”تمہاری امانت کیوں سوائیتے ہوئیاں اس بات کا فبد پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔“ ”میں بھی اسے دو بہت اپے بڑے اثرات سے دور ہو جائے گا۔ میری بے بسی اور غصے کی وجہ بھی یہی ہے۔ جب سے وہ پیدا ہوا، اسی پاپھر کسی حد تک میں اس کا دھیان رکھ رہا ہوں وہ دونوں اس کے ماں پاپ ہیں، مگر صرف کہنے کی حد تک میں پوچھتا ہوں کیا حق ہے انہیں اس بچے کو اپنے پاپری تھجھے کا۔“

”پاپری تو تم اسے بنا رہے ہو عاشر! تمہیں اس سے پیار ہے، تم اس کا خیال رکھتے ہو۔ یہ ایک فطری سی بات ہے، تمہارا اس سے خون کا رشتہ ہے۔“ تم اس کے چھاہو۔ لیکن تم اس رشتے سے بھی تو اس کے لیے کچھ کر سکتے ہو، تم اس کا سب کچھ کیوں بننا چاہتے ہو۔ کیوں یہ چاہتے ہو کہ وہ اپنے ماں باپ کا نہ رہے صرف تمہارا ان کے رہے۔

حاصل کر سکتی ہے۔ بارہا وہ کہہ چکی ہے کہ یہ شادی اس کے لیے قید ہے، سزاۓ عمر کی۔ کیوں نہیں اپنے کروڑتی باب کے ذریعے اس قید سے جھینکارا پا لیتی، آئے دن شوہر کو اپنے باب کے ہاتھوں ذلیل کر دیکھتی ہے، تو ملاج بھی لے سکتی ہے۔ لیکن میں نے کہا ان کر اسے خود ملک سے دپکی نہیں وہ اپنے بارے میں سوچنا ہی نہیں چاہتی۔ ” دیے اس کی وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ شرمن تھمارے بھائی سے سچ یعنی محبت کرتی ہواں لیے ہزار اختلافات اور تکھیوں کے باوجود ساتھ رہنے پہ مجبور ہو۔ ”

”محبت.... اور شرمن اور وہ بھی باقرا بھائی جان سے۔“ میں دل کھول کے ہنا۔

”اتنے سالوں میں، میں نے آج تک اس کے چہرے پہ محبت کی بلکل سی رنگ تک چاہتے ہکمل اپنی بھی چاہتے ہو۔ بلکہ اپنی دسترس میں۔ اپنی مشتمی میں۔ میں اپنے بھائی اب کے لیے۔ شروع دنوں میں بھائی جان میں بھی اس کے دیوانے تھے، آگے تھماری، بھائی صرف تھمارا۔... یہ کیسے ہونا چاہئے! پسر نے تھمارے بھائی اس کے دل کے متعلق جب تم اکتوتے ہوتے۔ جب خدا نے ایسا نام منظور کیا تو تم بھائی اس کے دل کے متعلق دل کے مان لو۔“ رہی شرمن.... تو تھمارے قسلط پسند روئیے کو پچھلے جانتے ہوئے میں یہ پسکھی ہوں کہ اس کے بجائے کوئی اور عورت بھی تھمازے بھائی کی بیوی ہوتی تم اسے ناپسند ہی کرتے۔“

”بکواس، نری بکواس۔“ اس کی ہربات بھی کہاں کیمپ پر جانشی کے ساتھ

رہا لیکن آخر میں اس کے اندازے ناطج گہ پڑ گئے۔ نسبتو چجان رنے کا موقع مل گیا۔“

”تم دور پیشی بس اندازے لگائی رہنا۔ تم یعنیں کرو۔ وہ اس پچھے کو تباہ کر رہے ہیں۔“

”محبت یا وہی نہ رکھا۔“ ایک لباد کر لی تھی۔ اچھا ہوا وقت پہ یاد آگئی۔ پرسوں منڈے کو میں دیا، تیجا وہ فبد سے بھی بیزار ہو گئے۔ اور شرمن نے شوہر سے دوچھپی نہیں۔ اگر اسے کم از کم خود پسکھ دیا۔ اسے اسے خود سے بھی دوچھپی نہیں۔ اسے اسے خود پسکھ دیا۔“ میں نے اس کی محبت ہوتی تو وہ اپنی زندگی خوشنوار بنائے رکھنے کے لیے اور کچھ نہیں تو صحواتی کی کر لیتی یا پھر.... ملاج لے لیتی۔ بھائی جان کا مسئلہ یہ ہے وہ بنیادی طور پر شریف انسان ہیں۔ یہ رشتہ ای کا بنایا ہوا ہے۔ وہ سارے تانگ بھگتے کے لیے اسی کو آگے کر کے خود ایک طرف ہو گئے ہیں۔ تاکہ کسی دن وہ خود ہی تنگ آ کے اس رشتے کو ختم کرنے کا حکم دے دیں اور وہ تابعداری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ حکم بجالا میں پر جیسی آپ کی مرضی.... آپ نے ہی پلے باندھی، آپ کی خوشی کے لیے جھوڑ دیتا ہوں۔ اسی کا بھی ایک مسئلہ ہے وہ وہی صدیوں پر اسے مشرقی میکہ نواز روشنزرم کا شکار ہیں۔ شرمن ان کے چہیتے بھائی کی چہیتی میں ہے۔ لیکن شرمن کا مسئلہ میری بھتے سے باہر ہے۔ وہ چاہے تو آسانی سے آزادی

وہ کوئی چیز نہیں، انسان ہے۔ انسان کسی کی بھی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتا۔ تھمارا اپنا عاشر..... تھمارا اپنا بچہ بھی صرف تھمارا نہیں ہو سکتا۔ اس میں بھی کوئی دوسری ہستی تھماری ہے دار ہوگی۔ تو فبد تو پھر تھمارے بھائی کا بچہ ہے۔ شرمن تھمارے لے کتنی تاپسندیدہ کیوں نہ ہو۔ اسے فہد کی ماں خدا نے بنایا ہے۔ تم اعتراض کرنے والے کون ہو۔“ ”بھتے اعتراض ہے.....“ میں نے زور دے کے کہا۔ ”میں اس کے لیے سب اچھا چاہتا ہوں۔ بہترین۔“

”تھمارا مسئلہ پتہ ہے کیا ہے عاشر....! تم ہر چیز صرف بہترین ہی نہیں جاہتے ہکمل اپنی بھی چاہتے ہو۔ بلکہ اپنی دسترس میں۔ اپنی مشتمی میں۔ میں امراض تھماری، بھائی صرف تھمارا۔... یہ کیسے ہونا چاہئے! پسر نے تھمارے بھائی اس کے دل کے متعلق دل کے مان لو۔“ رہی شرمن.... تو تھمارے قسلط پسند روئیے کو پچھلے جانتے ہوئے میں یہ پسکھی ہوں کہ بھائی اور وہی منڈے کی بیوی ہوتی ہے اسے ناپسند ہی کرتے۔“

Photo.com

”بکواس، نری بکواس۔“ اس کی ہربات بھی کہاں کیمپ پر جانشی کے ساتھ فبد کو بھی توجہ دیتے۔ پیار دیتے، لیکن اس شادی نے اپنی سوائے جانشی کے کچھ نہیں دیا، تیجا وہ فبد سے بھی بیزار ہو گئے۔ اور شرمن نے شوہر سے دوچھپی نہیں۔ اگر اسے کم از کم خود پسکھ دیا۔“ میں نے اسے خود سے بھی دوچھپی نہیں۔ اسے اسے خود پسکھ دیا۔“ میں نے اس کی محبت ہوتی تو وہ اپنی زندگی خوشنوار بنائے رکھنے کے لیے اور کچھ نہیں تو صحواتی کی کر لیتی یا پھر.... ملاج لے لیتی۔ بھائی جان کا مسئلہ یہ ہے وہ بنیادی طور پر شریف انسان ہیں۔ یہ رشتہ ای کا بنایا ہوا ہے۔ وہ سارے تانگ بھگتے کے لیے اسی کو آگے کر کے خود ایک طرف ہو گئے ہیں۔ تاکہ کسی دن وہ خود ہی تنگ آ کے اس رشتے کو ختم کرنے کا حکم دے دیں اور وہ تابعداری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ حکم بجالا میں پر جیسی آپ کی مرضی.... آپ نے ہی پلے باندھی، آپ کی خوشی کے لیے جھوڑ دیتا ہوں۔ اسی کا بھی ایک مسئلہ ہے وہ وہی صدیوں پر اسے مشرقی میکہ نواز روشنزرم کا شکار ہیں۔ شرمن ان کے چہیتے بھائی کی چہیتی میں ہے۔ لیکن شرمن کا مسئلہ میری بھتے سے باہر ہے۔ وہ چاہے تو آسانی سے آزادی

کھڑکی سے باہر گئی۔ ایک نیکی اندر آ کے رکھی تھی۔ میں اُنہوں کے بیٹھ گیا۔ نیکی میں کون آ سکتا ہے۔ اور زینا کو نیکی سے نکلتے دیکھ کے تو میں حیران ہی رہ گیا۔ وہ اندر آئی تو واضح طور پر ڈشرب لگ رہی تھی۔ بکھری بکھری تھی۔

”زینا تم.... نیکی میں.....“ میں اس کے آنے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ ”پاں وہ.... میری گاڑی کل سے ورثت ہے۔“ امی بھی اس کی خبر ملتے ہی کرے سے نکل آئیں۔ وہ ان سے ملنے لگی میں ابھی تک انکا ہوا تھا۔

”خیریت تو ہے زینا، کوئی ایر جنسی تھی کیا۔ کیسے آنا ہوا۔“ ”پاکل ہوئے ہو عاشر، کیا ہمارے گھر آنے کے لیے کسی ایر جنسی کا ہوتا ضروری ہے۔“ امی نے ٹوکا۔

”میں امی! دراصل زینا کی گاڑی خراب ہے۔ میرا مطلب ہے تو یہ بھاگر کوئی ضروری کام تھا تو مجھے فون کرتی، میں لینے آ جاتا۔“ ”کام تو کوئی نہیں تھا۔“ اپنے بچپن سے ملے کے دل چاہا اس لیے چلی۔

”زینا کیا کہاں تھا تم؟“ امیک عمر سیدہ پریشان صورت خاتون آگے بڑھیں اور ”جس بھی دیکھ کر رہتے تھے اب تک اسے اب تک دروازے پر ڈھٹائی سے نہ رہنے پخت خفت حسوس ہوئی۔ میں سلام کر کے تھمکے کو تھا کہ انہوں نے پوچھا۔“ سب۔“ کوئی خوش کن مضمون نکالنا چاہا، مگر انہی کے مشتعل چہرے نے اس کا نہیں۔

”آپ عاشر بینا ہیں، پانیں وہ مجھے کیسے جانتی تھیں۔“ خیر میرے اثبات میں باز رکھا۔

”فہد کہاں ہے۔“ بہت خاموشی سے گھر میں اس نے پوچھا۔

”فہد تو اپنے ناتا، ناتی سے ملنے ملیا ہے۔“ لیے ہم ماں بینا یوں منہ سے بیٹھنے ہیں۔ اچھا ہوا، تم چلی آئیں۔ میرا اول بہل جائے گا۔“ ”اوہ میرا.....“ اس کے لیوں نے ہاتھوں سے اچھاتھی پیش کی جس تو فہد سے آئی تھی۔

”وہ تو خود تمہیں یاد کرتا رہتا ہے۔ گھر جوتا تو بت خوش ہوتا، ارسے تم اب تک تھریں کیوں ہو۔ نیحو.....“ امی نے اس کا باتھ تھا منا چاہا۔

”نہیں آئی، میں چلتی ہوں۔ بس میں تو فہد۔“ فہد سے اچھا خدا حافظ۔ ”وہ نوئے الفاظ ادا کر کے پہنچا۔ امی بھی ہنکا بکا تھیں اور میں بھی۔ وہ تو حیرت کی شدت سے اسے روک تک نہ سکیں۔ میں بھی پکار بیٹھا۔

”رکو، زینا! میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔“ میں نے چاہیا انھائیں۔

”زینا بینا! کچھ دیر ک جاتی۔“

”میں پھر اؤں گی آئی، ابھی نہیں۔ ابھی میں۔“ وہ لب کاٹنے لگی۔

سارے راستے وہ کچھ نہ بولی۔ میں نے ذرا نیوگ کے دوران کنی بارگن انگھیوں سے اسے دیکھا۔ بلکہ سبز رنگ کا سبوٹ مکنوں سے پر تھا۔ ”و پڑے کا ایک پلو نیچے تک جا رہا تھا بہو کچھ لب گیلی پلکیں.....“ ایسی تو میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”لو، تمہارا گھر آ گیا۔“ میں نے بریک لگائی اس نے میکاگی انداز میں لاک کھول کرے سے نکل آئیں۔ وہ ان سے ملنے لگی میں ابھی تک انکا ہوا تھا۔

”پاکل ہوئے ہو عاشر، کیا ہمارے گھر آنے کے لیے کسی ایر جنسی کا ہوتا ضروری ہے۔“ امی نے ٹوکا۔

”میں امی! دراصل زینا کی گاڑی خراب ہے۔ میرا مطلب ہے تو یہ بھاگر کوئی ضروری کام تھا تو مجھے فون کرتی، میں لینے آ جاتا۔“ ”کام تو کوئی نہیں تھا۔“ اپنے بچپن سے ملے کے دل چاہا اس لیے چلی۔

”شاید میرے رو عمل سے شرمندگی مکھوٹی کر رہی تھی میں نے اس کے آپ سے کوئی خوش کن مضمون نکالنا چاہا، مگر انہی کے مشتعل چہرے نے اس کا نہیں۔“ فہد کہا۔

”فہد تو اپنے ناتا، ناتی سے ملنے ملیا ہے۔“ لیے ہم ماں بینا یوں منہ سے بیٹھنے ہیں۔ اچھا ہوا، تم چلی آئیں۔ میرا اول بہل جائے گا۔“ ”اوہ میرا.....“ اس کے لیوں نے ہاتھوں سے اچھاتھی پیش کی جس تو فہد سے آئی تھی۔

”وہ نوئے الفاظ ادا کر کے پہنچا۔ امی بھی ہنکا بکا تھیں اور میں بھی۔ وہ تو حیرت کی شدت سے اسے روک تک نہ سکیں۔ میں بھی پکار بیٹھا۔

”رکو، زینا! میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔“ میں نے چاہیا انھائیں۔

”میں پھر اؤں گی آئی، ابھی نہیں۔ ابھی میں۔“ وہ لب کاٹنے لگی۔

بھا بھی کو گھر آئے دو ماہ ہوئے تھے۔ اس دن زید بھیا ایک نجیب سی خبر لے کے آئے۔

”زین! میں مکمل تصدیق کے بعد بھی یہ راز تمہارے سامنے کھول رہا ہوں۔ یہ تھی۔ عورت کو میں.....“
تھی کہ بنا نے تھیک گیارہ ماہ پہلے یعنی ماما کی ڈنچ کے صرف چھپہ ماہ بعد دوسری شادی کر لی تھی۔ وہ دوسری بیوی انہوں نے مری دالے کا فتح میں رکھی: وہی ہے اور ان کا ہر دیکھ ایندھی۔ وہیں گزر رہا ہے۔“

”اور ہم نجیب رہے ہیں کہ باما کے بعد ان کا دل گھر میں نہیں لگتا، دوستوں میں وقت گزارتے ہیں۔“

”یہ تو پاٹی میں تمہارے دوستوں کے ساتھ تھیں، ایک عورت کے پاس ہل بہلاتے میں نہ تھی، پاپا تھے۔ بڑے بھیازید فاروق اور چھوٹے بھیازین فاروق تھے۔“
پھوپھو بھی ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہتی اچانکا تھیں۔ وہ اپنے اولاد میں اور بھائیوں سے اپنی بیوی جاتا، کیونکہ جب وہ شہر کی اولادت کا سلسلہ آنھایا تو سب کہنے لگے، ابھی تو آنی کو کچھے تھے۔“

انہوں نے اپنی بیوی جاتا، کیونکہ جب وہ شہر کی اولادت کا سلسلہ آنھایا تو سب کہنے لگے، ابھی تو آنی کو کچھے تھے۔“ اور جب بیوی اپنے بھائیوں کے ساتھ شادی کا سلسلہ آنھایا تو سب کہنے لگے، ابھی تو آنی کو کچھے تھے۔“
صرف دو ماہ کی تھی۔“

سال ہوا۔ بری سے فوراً بعد شادی رکھ لی۔“ جب کہ انکل نے تو برسی تک کا انتظار میرا بھیں ویسا ہی گزر اجیسا کہ کسی بھی آسودہ حال نہیں تھا۔ میں رہنے والے بھی کا گزر رہا۔ سبھا ہوا ماحول، دولت کی فراوانی، محبت کر لے جو اس پر، وہ بھل خوش بھائی، عمد़: اسکونگ... زندگی ایک سیدھے ٹریک پر ہے۔“ اسی طبقہ میں بھائیوں کی اچانکہ نہ کہا۔“

”بس کروز دیا! تمہیں اپنے سر کے معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں۔“

”پھوپھو، وہ بھی اپنی لحر کی قدر ہے، وہ بھی اسی صدائے سے گزر رہی ہے۔“ زید بھیا بھائیوں نے جلدی خود کو سنپال لیا۔ زید بھیا نے جو بھائی ایسی نمایاں کامیابی کے ساتھ کیسی کریا تھا۔ ماما ان کی سکھنی اپنی بھائی سے اپنی زندگی پر لٹکھنے کا سرکن بھیا کی تعلیم بھی آخیز مراحل میں تھی۔

”اوکیا، ہلماں بھجنے نہیں کر لٹکنے کا کیا۔“
سالوں کے ساتھ واتھی جلدی بھلا دیا۔“

”ویکھوڑیا! نمرے نے کوئی غیر شرعی فعل نہیں کیا، نہ بھی کسی کا حق خشب کیا ہے۔“ بھائیوں کیا کہ پاپا ان سے، بھیا سے، بھی سے، پھوپھو سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ لیکن کہہ نہیں پاتے۔ ہم بھی سمجھتے رہے کہ شاید وہ باما کے فوراً ”بعد گھر میں شادی نہیں رکھو“ اسے پاپا کے پیارے خاندان کے مشورے سے ماما کی اپنی بری کے دو ماہ بعد شادی متقرر ہوئی۔

”پھوپھو! آپ جانتی تھیں۔“ دنوں بھائی ان سے بھی شاکی: وہ کسے بھا بھی کو اور موقع کرتیں۔ وہ کہو نہیں آہستہ آہستہ آواز میں کچھ سمجھایا کرتیں وہ بھی تو بے زاری سے

اشبات میں سر بلاتے رہتے۔ بھی شدت سے نئی میں سر بلانے لگتے۔ مجھے اس سے زیادہ آیا۔ انکل نے تو خیر بیوی کی دفائیں بھلا ہی دی تھیں۔“

ہر طرف ایک جنگل پل ہی پل میں کھڑا ہو گیا۔ میں اس جنگل کو آگ لگادینا چاہتا تھا۔ جڑیں جلا دینا چاہتا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بچے کی ماں، طلاق یافتہ یا پھر شاید یہوہ عورت کو میں.....“

”میں ... اس کی“ کتنی دیر بعد اس کی آواز آئی۔ میں چوکٹ اٹھا۔
”وہ میرا فبد تھا، عاشر.... میرا اپنا میرا سب کچھ۔“ وہ بتانے لگی اور میں پورے دھیان سے سننے لگا۔

”میں نے ابھی ابھی بھیں سے دامن چھڑایا تھا کہ میری ماں مجھے چھوڑ کے چلی گئیں۔ اس عمر میں میں نے زندگی میں اپنی بار خود کو تباہ محسوس کیا، جالانکے گھر میں صہی فوج پھوپھو بھی ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہتی اچانکا تھیں۔ وہ اپنے اولاد میں اور بھائیوں سے اپنے اولاد میں تو میں“

میرا بھیں ویسا ہی گزر اجیسا کہ کسی بھی آسودہ حال نہیں تھا۔ میں رہنے والے بھی کا گزر رہا۔ سبھا ہوا ماحول، دولت کی فراوانی، محبت کر لے جو اس پر، وہ بھل خوش بھائی، عمد़: اسکونگ... زندگی ایک سیدھے ٹریک پر ہے۔“ اسی طبقہ میں بھائیوں کی اچانکہ نہ کہا۔“

”بس کروز دیا! تمہیں اپنے سر کے معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں۔“
”پھوپھو، وہ بھی اپنی لحر کی قدر ہے، وہ بھی اسی صدائے سے گزر رہی ہے۔“ زید بھیا بھائیوں نے جلدی خود کو سنپال لیا۔ زید بھیا نے جو بھائی ایسی نمایاں کامیابی کے ساتھ کیسی کریا تھا۔ ماما ان کی سکھنی اپنی بھائی سے اپنی زندگی پر لٹکھنے کا سرکن بھیا کی تعلیم بھی آخیز مراحل میں تھی۔

”اوکیا، ہلماں بھجنے نہیں کر لٹکنے کا کیا۔“
سالوں کے ساتھ واتھی جلدی بھلا دیا۔“

”ویکھوڑیا! نمرے نے کوئی غیر شرعی فعل نہیں کیا، نہ بھی کسی کا حق خشب کیا ہے۔“ بھائیوں کیا کہ پاپا ان سے، بھیا سے، بھی سے، پھوپھو سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ لیکن کہہ نہیں پاتے۔ ہم بھی سمجھتے رہے کہ شاید وہ باما کے فوراً ”بعد گھر میں شادی نہیں رکھو“ اسے پاپا حیرت انگیز طور پر پسکون نظر آنے لگے۔ اکثر ان کی پھوپھو سے بھی لمبی مینگنڈ چلا کرتیں۔ وہ کہو نہیں آہستہ آہستہ آواز میں کچھ سمجھایا کرتیں وہ بھی تو بے زاری سے غور کرنے کا وقت نہ ملا۔ گھر کی اپنی بھی شادی تھی۔

"زویا زیادہ بڑھ چڑھ کے مت بولو۔ درنے میں نے کچھ کہہ دیا تو منہ چھپائی پھر وہ میری بھائی کو خدا جنت نہیں کرے۔ وہ واقعی ایک بہترین عورت تھی۔

وہاب اس دنیا میں نہیں اور عمر کو اللہ نے اور مذہب نے حق دیا۔ جس کا اس نے استعمال کرنے کے بعد مجھے صرف مطلع کیا، اس میں کس عورت پڑھم بوا۔ اور رہیں وفا میں بھلانے کی بات.... تو وہ تب بوتا اگر عمر پہنی بیوی کے ہوتے دوسری شادی کرتا جیسا کہ تمہارے بھائی نے کی۔"

"دیکھیں.... دیکھیں.... زید! آپ دیکھیں ذرا بچو بچو کو۔" وہ پڑھا گئیں۔

"میں نے پہلے بھائی کہا تھا کہ بڑھ چڑھ کے مت بولا درت، اب تم غورت پر غورت کے ظالم کی بات کرتی ہو، تمہاری بڑی بہن سارہ بھی تو کمال محمد کی پہلی بیوی کو ظایق داونے کے بعد بیاہی گئی ہے۔"

پھوپھو ایسی بھی تھیں، کھڑی کھڑی نہ نہ کوئی۔

یہ مسئلہ تو پھوپھو کی مداخلت کے باعث اب کیا، اب پہنچا۔ پاپا سے بات کرنے کا، پھوپھو نے اس موقع پر بھی مکمل تعاون کیا۔

اس کا باب، بہن اور دیکھ رشتہ دار ہمارے گھر جمع تھے جو شل سے اور عادات سے سنبھال کر جمع طاہر کر رہے تھے۔ یعنی پاپا ان فرمی لوگوں کے ہاتھ بری طرح ٹریپ دو تین دن مری گزارنے لگے۔ تب ہم اسلام آباد میں رہنے والے کوئی بھائی کی تھیں۔

پاپا کی شرمندگی بھی رفتہ رفتہ زائل ہوئی۔ لیکن الہامیں اور اولاد میں ایک پردوسا مائل ہو پڑ کا تھا۔ اسی طرح دوڑھائی سال اور گزر گئے۔ میں ہمیز اپنے بی کام کے ایک از مر دے رکھتے۔ اور گھر پر وقت گزار رہی تھی۔ زید بھائی نہیں تھے بلکہ جنم ہوئیں تھے۔ کیونکہ آڑ لینڈ ہو چکی تھی۔ زویا بھائی کے دو بیچ تھے تب ہی پھوپھو اکے ذریعہ اپنے بھائی کے پاپا کے ہاں ایک اور بیٹا ہوا ہے۔ مجھے بہت شجاع سماجیوں ہوا۔ بھائی طنزیہ کے نہ کہا۔

رو گئے۔ زویا بھائی اب پھوپھو کے رعب میں نہ آئیں۔ جو دل چاہتا کر جاتا کہ جاتے جاتیں۔ پھوپھو کا سارا دم ختم اور بد بہ بھی ہوا ہو چکا تھا۔

جب بھائی نے اپنا ہمی احترام اولاد کے آگے کھویا تو وہ اولاد نہیں کیا احترام دی۔

پاپا نے فیصلہ نہادیا کہ اب وہ رو بینہ (ان کی دوسری بیوی) اور بچے کو مری میں نہیں رکھیں۔ وہ اسی گھر میں رہیں گے، اس نہیں نے تین سال سے طاری تجوہ اور سمجھوتے کی فضا کو تھس نہ سن کر کے رکھ دیا۔ دونوں بھائی بھڑک گئے۔ زین بھیافون پر مسلسل رابطے پر تھے۔ دونوں نے اپنا جوابی فیصلہ نہادیا کہ یا تو اس گھر میں دعورت رہے گی یا پھر ان

کے بیٹے۔

یہ فیصلہ فون پر پاپا کو نہادیا گیا، انہوں نے کوئی تبرہ نہ کیا، صرف یہ کہا کہ ہم پرسوں آرہے ہیں۔ زویا بھائی نے اپنا سارا میکہ اکٹھا کر لیا گھر میں اس دن ہمارا سارا خاندان پاپا کو لفڑی ملعون کرنے کے لیے جمع تھا، زید بھیا بھرے بیٹھے تھے۔

اور پھر وہی ہوا جو پاپا نے کہا تھا اور وہ بھی جو بھیانے کہا تھا۔

پاپا نے کہا تھا اب وہ رو بینہ کے ساتھ رہ جائیں گے۔ وہ دونوں اب ہمیشہ بھیشہ ساتھ رہنے کے لیے اپنے ابتدی سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ ایک کارا یکسیڈنٹ نے دونوں کو موقع پر ہلاک کر دیا تھا۔

بھیانے کہا تھا انہیں اس گھر میں جگہ نہیں ملے گی، نہ ان کا شہکارہ کہیں اور ہو گا۔ اس کے بعد بیاہی گئی ہے۔

اس غورت کی الختمی رسالت کا انتظام دونوں بھائیوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسی کا، پھوپھو نے اس موقع پر بھی مکمل تعاون کیا۔

اس کا باب، بہن اور دیکھ رشتہ دار ہمارے گھر جمع تھے جو شل سے اور عادات سے سنبھال کر جمع طاہر کر رہے تھے۔ یعنی پاپا ان فرمی لوگوں کے ہاتھ بری طرح ٹریپ دو تین دن مری گزارنے لگے۔ تب ہم اسلام آباد میں رہنے والے کوئی بھائی تھے۔ کیونکہ پاپا کی شرمندگی بھی رفتہ رفتہ زائل ہوئی۔ لیکن الہامیں اور اولاد میں ایک پردوسا مائل ہو پڑ کا تھا۔ اسی طرح دوڑھائی سال اور گزر گئے۔ میں ہمیز اپنے بی کام کے ایک از مر دے رکھتے۔ اور گھر پر وقت گزار رہی تھی۔ زید بھائی نہیں تھے بلکہ جنم ہوئیں تھے کیونکہ آڑ لینڈ ہو چکی تھی۔ زویا بھائی کے دو بیچ تھے تب ہی پھوپھو اکے ذریعہ اپنے بھائی کے پاپا کے ہاں ایک اور بیٹا ہوا ہے۔ مجھے بہت شجاع سماجیوں ہوا۔ بھائی طنزیہ کے نہ کہا۔

بھیا خوب گرجے، لیکن وہ کان لپیٹے اس بوجھ کو انہا کر چلتے بنے۔ زویا بھائی، زین جاتے جاتیں۔ پھوپھو کا سارا دم ختم اور بد بہ بھی ہوا ہو چکا تھا۔

جب بھائی نے اپنا ہمی احترام اولاد کے آگے کھویا تو وہ اولاد نہیں کیا احترام دی۔

"ہم نے بھی پر اپنی اولاد میں سیئنے کا شہید نہیں لے رکھا۔ اس کا باب تمہارا بھی باب تھا، اس کی روگوں میں وہی خون دوز رہا ہے جو تمہاری روگوں میں ہے۔ اس لیے تم ہی اسے سن جاؤ۔"

بھیا خوب گرجے، لیکن وہ کان لپیٹے اس بوجھ کو انہا کر چلتے بنے۔ زویا بھائی، زین

بھیا، زید بھیا سب کا تملہ اہٹ کے مارے بر حال تھا۔ خود میں کوفت اور بیزاری کے طے ہو گی۔

مگر وہ نج گیا۔ ادھورا، ادھ مرا سا۔ ایک گردہ ناگارہ ہونے کی وجہ سے نکال دیا گیا تھا، کفروری نے اسے تنکے برابر کو چھوڑا تھا، اس میں دوسرے بچوں کی طرح چلا کر رونے کی ہمت تک نہ رہی تھی۔ ڈاکٹر زنے دیے بھی تھتی سے کہا تھا کہ اسے روئے سے ہر ممکن بچانا ہے۔ وہ سریل سا بچہ بچو پھوپھو سینے سے لگائے گھر اوشیں تو سب پٹشا کے رو گئے۔ بچو پھونے صاف کہہ دیا۔

”یہ بچہ اللہ نے میرے لیے بجا یا۔۔۔ میں نے ہمیشہ خود کو تمہاری ماں بھتھ کے اپنی بخشی محسیاں اس زور سے پتی ہوئی تھیں کہ انکلیاں برف سی سنید ہوتی تھیں۔

بھائیوں کے غصیض و غصب کو خنثدا کرنے میں منصرف بچو پھوکی انبلراچا مک اس پر پڑھا۔ ترب کے آگے بڑھیں۔ ایک شکایت آمیزی نظر نہ ہے۔ اسی جو قریب سے پتھریں اس سانسیں لینے کی جدوجہد میں مصروف ہی کیا تھی۔

لوگ ان اسے گستاخی کا سوچ رہی تھیں لئے تھے۔ ایول بھی پاپانے وصیت میں اپنی بڑی بہنوں کے لیے کافی چھمچھورا تھا۔ اور بھائیوں کی بیان سے لکھ جانے پر مجبور کر بھی دیتے تو انہاں نے کی مجک مٹائی ہوئی۔ بچو پھوکا کیا نعمان ہوتا۔ زویا بھائی البتہ خردار مجھے ایسے لگا ہے پھوپھو در پرده مجھے ساری ہیں۔ میں پر پتھر اندر چاہی۔

بعد میں کسی رشتہ دار خاتون کے تعاون سے بچو پھوا۔۔۔ اسی پتھر کے باہم پھوپھو کی دوھائی دی۔

مگر میں اب پہنائس کے جراشم پتھریں کرے۔۔۔ کیوں باب کی زوح کو ذکری کرتے ہو۔ اللہ کا ذرخیز نہیں ہے، لیکن اس دنیا۔

سہارا اور روانی تھیں، بھائیوں کی اپنی دنیا میں ملکان تھے۔ کا تو خوف کراو جس میں رہ رہے ہو۔ کل تک تمہارے حساتے بزرگ پتھر کی دوسری

شادی کے خلاف بولنے والے لوگ اب تمہاری بے حس اور تھک ولی پتھر کے باہم پتھرے پہلی کیوں خود کو تمباشا بنارہے ہو۔

اور پھر شاید خوف خدا سے لرز کے، یا پھر پاپا کی روح کی تسلیں کے لیے یا شاید بچ عرفاروق مرثی کے نام کا ایک حصہ فاروق دونوں بیٹوں کے نام کے آگے لگایا تھا اور دوسرا حصہ مرامی بیٹی کے نام کے آگے لگایا تھا اور اب بچو پھونے بھی اس کے نام کے آگے عمر لگایا۔ پتا نہیں کیوں۔؟

مطابق نہیں ہے اس کے بعد اپنی اسٹڈیز میں بڑی ہوئی۔ بچو پھو سے انسیت اب بھی

ویسی کی ویسی تھی اگرچہ وہ گھر کے اندر ورنی ہے سے ذرا دور، ایسی میں رہتی تھیں لیکن مگر۔

کے کینوں سے زیادہ میرا خیال رکھتیں۔

جلے جذبات کے ساتھ گارپٹ پڑے نخے سے کیڑے کو دکھ رہی تھی۔ جس نے ناگیں چلا چلا کے خود سے لپٹا کیبل نیچے کرالیا تھا اس کی سوکھی سوکھی زرد ناگیں ہوا میں چل رہی تھیں۔ اس کے کپڑے حد سے زیادہ میلے اور بد بودار تھے۔ شاید پچھلے دو تین دن سے انہیں بد لئے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی تھی۔ اس کا پچکا: واپسیت بر سانس کے ساتھ پسلیوں سے الگ ہو کے باکل کمر سے جال گتا اس کے نیلے پڑتے ہوتے اور حق سے روئے کی کوشش میں عجیب سی خرخراہٹ نکل رہی تھی۔

بھائیوں کے غصیض و غصب کو خنثدا کرنے میں منصرف بچو پھوکی انبلراچا مک اس پر پڑھا۔

ترپ کے آگے بڑھیں۔ ایک شکایت آمیزی نظر نہ ہے۔ اسی جو قریب سے پتھریں اس سانسیں لینے کی جدوجہد میں مصروف ہی کیا تھی۔

”غصب خدا کا، اتنے سے بچ کو خنثدی از ملین رینڈل مکے خون سفید ہو گیا۔۔۔“

بعد میں کسی رشتہ دار خاتون کے تعاون سے بچو پھوا۔۔۔ اسی پتھر کے باہم پتھرے پہلی دوھائی دی۔

”کیوں باب کی زوح کو ذکری کرتے ہو۔ اللہ کا ذرخیز نہیں ہے، لیکن اس دنیا۔

شادی کے خلاف بولنے والے لوگ اب تمہاری بے حس اور تھک ولی پتھر کے باہم پتھرے پہلی کیوں خود کو تمباشا بنارہے ہو۔

اور پھر شاید خوف خدا سے لرز کے، یا پھر پاپا کی روح کی تسلیں کے لیے یا شاید بچ عرفاروق مرثی کے نام کا ایک حصہ فاروق دونوں بیٹوں کے نام کے آگے لگایا تھا اور دوسرا حصہ مرامی بیٹی کے نام کے آگے لگایا تھا اور اب بچو پھونے بھی اس کے نام کے آگے کی حالت اتنی خراب تھی کہ اس کے بچنے کی امید نہ تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق نہیں ہے اس کے پھیپھروں پر اثر ڈالا تھا۔ ساتھ ہی وارد ہونے والے یقان نے جگر اور گردے تباہ کر دیے تھے۔

"پھوپھو! ایرے ٹیسٹ ہو رہے تھے، لیکن مجھے یہ گمان بھی تو نہ تھا کہ آپ بیمار ہوں گی۔ ورنہ ٹیسٹ ہوتے ہی تو میں آ جاتی۔ آپ ڈاکٹر کی طرف جا رہی ہیں، آئیے میں لے چلوں۔"

ڈاکٹر کے پاس تو پچھلے ایک نفے سے چکر لگا رہی ہوں، مگر فہد کے لیے... اپنی خاطر دھکے کھانے کی بہت نہیں، پہلے زید پوچھ لیتا تھا۔ اس کی آنکھیں لحاظ تھا، اب تو مجھے اپنا دشمن سمجھتا ہے، اس کے سامنے نیکی کے انتشار میں کھڑی ہوتی ہوں، قریب سے گاڑی لے کر گزرا جاتا ہے۔

ان کے درد بھرے لبجے پر میں شرم مند ہو گئی۔

"فی الحال تو میں بنت جا رہی تھی۔ پچھے پیسے لکوانے ہیں۔ فبد کو عامہ ڈبے کا دودھ مشقیں مجھے بے چین کر دیتے۔" "فی الحال تو میں بنت جا رہی تھی۔ پچھے پیسے لکوانے ہیں۔ فبد کو عامہ ڈبے کا دودھ مشقیں مجھے بے چین کر دیتے۔" انہوں نے ایک بار بڑے ملکے سے شکوہ کیا تھا۔

"زینا! تم سے، زین اور زید سے میرا راستہ نہ کی جائے۔" میں انتہاری پھوپھو ہوں۔ یعنی باپ کی بہن، اور جانتی ہو فہد کی میرا بہن لگتی ہوں، پھوپھو! یعنی اس کے بھی ہوں۔ اگر میں نے اپنا بہن ہونے کا فرض ادا نہ کیا تو میں عمر کو کیا منہ ذکماں کیا ہوں۔ اب مجھے میرے فرض کی ادائیگی پر مت نہ کو۔ آخر عمر کے پاس جانے میں وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔"

پھوپھو! فہد کو کبھی اپنے ساتھ نہ لاتیں عموماً اپنے حمایت کے بعد مجھے میئے آئیں۔ دو دن تک جب وہ نہ آئیں تو میں بے چین ہو گئی۔ مجھے یہی گمان گزرا کہ ضرور اس بچے کی طبیعت زیادہ خراب ہو گی، اس لیے وہ آن سکیں۔ مجھے کہ کچھ دن پہلے انہوں نے اس کی بیماری کا ذکر کیا تھا، اسے کوئی دودھ بھی تو سوت نہیں کرتا تھا کہ اسکے دو دن میں نے منتظر کیا پھر تیرے دن اس خیال کے تحت چلی آئی۔ اک بعد میں پھوپھو! یہ تھا کہ میں اس کا حتم کرنے بھی نہ آئی۔

یہ تو مجھے خیال تک نہ آیا تھا کہ پھوپھو خود بھی بیار ہو سکتی ہیں۔ ان کی دگر گولی حالت دیکھ کے میں دیگر رہ گئی۔ فہد، ہماری ملائی مس پروپن کی گود میں سوراہ تھا اور پھوپھو، نہ حال وجود، متور مسرخ آنکھوں کے ساتھ چادر اوڑھے کہیں جانے کی تیاری میں تھیں۔

"بخار ہو رہا ہے پچھلے چار دن سے۔ ساتھ میں بلڈ پریشر بھی ہائی رہا ہے۔ فہد کی بیماری نے مجھے تھکا ڈالا۔ شکرے اب وہ کچھ بہتر ہے، لیکن میرا حال برا ہو گیا تھا۔ بھی....." اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں میں نے فوراً صفائی پیش کی۔

میں نے اُنہیں آرام زیادہ سے زیادہ کرنے کی تلاحقیں کی جو باہر فہد کو دیکھنے لگیں، میں نظریں چڑا گئیں۔ پر دین چلی گئی تو پھوپھو کو اپنے سامنے کھانا کھلا کے، دوا پلا کے، سلانے کے بعد میں آہستہ سے دبا سے لٹکا۔ ابھی دواز بند ہی کیا تھا کہ فہد کے روئے کی آواز آئی شاید بھوک سے بے تاب: دکے وہ جاگ گیا تھا، میں نظر انداز کرنا چاہتی تھی مگر ایک بل سے زیادہ نہ کر سکی۔ اگر میں اندر جا کے اسے نہ بہا اتی، تو پھوپھو جاگ کے اسے

لیکن میں نے کبھی ان سے یہ نہ پوچھا کہ انہیں ایک بیمار، چھوٹے سے بچے کو سنجا لئے میں کوئی مشکل تو نہیں پیش آ رہی، فہد کا ذکر ہمارے درمیان آتا ہے مگر یہ طرفہ وہ ہی بتاتیں۔ کل اس نے ساری رات جگایا۔ سچ وہ سکرایا۔ آج اس کی طبیعت بہتر تھی۔ میں چپ چاپ سنتی رہتی۔

رفتہ رفتہ میں اس کے ذکر میں دچپی، لینے لگی، لیکن میں نے کبھی وہ دچپی ظاہر نہ کی۔ رات کو ایسی سے آتی گھٹی گھٹی سی سکیاں مجھے اٹھ کے کھڑکی تک آنے پر مجبور کر دیں اور میں اپنی کھڑکی سے انیکی کل کھڑکی کے اس طرف پھوپھو کو گود میں پچا اٹھائے تھکیاں دیتے ہیاں سے دبا شلتے دیکھتی۔ اس عمر میں پھوپھو کے یہ رت ہے۔

پھوپھو! فہد کو کبھی اپنے ساتھ نہ لاتیں عموماً اپنے حمایت کے بعد مجھے میئے آئیں۔ دو دن تک جب وہ نہ آئیں تو میں بے چین ہو گئی۔ مجھے یہی گمان گزرا کہ ضرور اس بچے کی بیماری کا ذکر کیا تھا، اسے کوئی دودھ بھی تو سوت نہیں کرتا تھا کہ اسکے دو دن میں نے منتظر کیا پھر تیرے دن اس خیال کے تحت چلی آئی۔ اک بعد میں پھوپھو! یہ تھا کہ میں اس کا حتم کرنے بھی نہ آئی۔

یہ تو مجھے خیال تک نہ آیا تھا کہ پھوپھو خود بھی بیار ہو سکتی ہیں۔ ان کی دگر گولی حالت دیکھ کے میں دیگر رہ گئی۔ فہد، ہماری ملائی مس پروپن کی گود میں سوراہ تھا اور پھوپھو، نہ حال وجود، متور مسرخ آنکھوں کے ساتھ چادر اوڑھے کہیں جانے کی تیاری میں تھیں۔

"بخار ہو رہا ہے پچھلے چار دن سے۔ ساتھ میں بلڈ پریشر بھی ہائی رہا ہے۔ فہد کی بیماری نے مجھے تھکا ڈالا۔ شکرے اب وہ کچھ بہتر ہے، لیکن میرا حال برا ہو گیا تھا۔ بھی....." اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں میں نے فوراً صفائی پیش کی۔

حالت بگزتی، میں کانپ جاتی۔ بڑے سے بڑا ذاکر آزمالیا۔ پیدائش کے ساتھ ہی حملہ آور ہونے والے پرہان اور نمونیا اور پھر ابتدائی طور پر بری گئی لاپرواںی اور غفلت نے اس کی صحبت تباہ کر کی گئی۔

وہ انتہائی سردیوں کے دن تھے، پھوپھو کی اور میری لاکھ احتیاط کے باوجود وہ پھر سے نہ ہوئے کاشکار بھوگیا۔ ہاسپلا نہ کرنے کے بعد، ایشی بائیونکس کے لئے درخواستہ استعمال نے اس کے اکلوتے گردے پر اثر ڈالا۔ نہ ہوئے کے اثرات دور ہو گئے، لیکن ذاکر کے مطابق یہ گردہ اب اس کے وجہ پر کا بوجھ اٹھانے کا متتحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جسمانی طور پر اتنا کمزور تھا اور صحبت کی دیگر چیزوں کی اس طرح اس کی جان ہے چھپنی ہوئی تھیں کہ ذاکر جلدیان گردہ کا آپریشن کرنے سے پہنچا رہے تھے اور یہی واحد حل تھا اسے بچانے کا۔ ذاکر حمدانے کے مطابق تین انے شکا گواہا سپل میں نیٹ کے ذریعے اس کی رپورٹیں اور یہ بھیں۔ جنہیں اس کا حوصلہ افزما جواب آمیزا۔ لیکن علاج اور تکمیل کے اخراجات میرے اور پھوپھو کے لفڑیاں سے باہر تھے۔

پھوپھو کے نام وحیت پہنچانے کس لیے پاپا نے یہ شرط رکھ دئی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں یہ جانشہار حق تینیں بھیں، شاید انہوں نے یہ اور بے اولاد بھن کا اس میں اکتوبری بھروسہ ہو گئے۔ ایسی پہنچانے پر مجبوکر کے خالی باتحہ نہ کر دے۔ ان کے حصے میں آئی آبی زمینوں کے علاوہ ایک مکان تھا اور بینک اکاؤنٹ میں چند لاکھ روپے جو

اب تیزی سے شتم ہوتے تھے، جیسا نے ان کی طرف سے بالکل باتحہ کھینچ رکھا تھا۔ وہ اتنا عرصہ اسی بینک اکاؤنٹ پر نہ کھینچنے کا فیصلہ کیا۔ اور انہوں نے زیر بھیا کے آئندے فندی ازیں کیے۔ ایک بڑی قدر پہنچانے والا اور انہوں نے مرے ہوئے باپ کی لائے رکھی تھیں۔ اس بیسی پھوپھی اوزندی سے خارج کر دیا تھا تو پھیلے ہوئے باتحوں کا مان کیا رکھتے۔ بات چند لاکھ کی نہیں تھی۔ بات ان کی خدمتی۔ وہ ہر حال میں نہ کو منظر سے غائب دیکھنا چاہتے تھے۔

میں نے ان کی منت سماجت بھی کر کے دیکھ لی، خون کا حوالہ بھی دیا، خاندان کے چند سرکردہ بزرگوں کی سنارش بھی کرائی، خدا کا خوف بھی دلایا اور واسطہ بھی دیا۔ سب بے سود.....

اب میرے پاس آخری کارڈ تھا اور میں نے اس آخری حریے کو آزمائے کافی عملہ کر لیا، اب میں کوئی سترہ اٹھا رہا سال کی تابعیت کی نہیں جو بھائیوں کے نقش قدم پر چلتی۔

سنبا لے لگتیں۔ "مجبرا" مجھے اندر جانا پڑا۔ اُنہنے کی کوشش کرتی، پھوپھو مجھے دیکھ کے مظہر ہو کر پھر لیت گئیں۔ شاید انہیں یقین تھا میں فبد کو سنبھال لوں گی اور میں نے ان کی یقین نہ توڑا، میں نے فہد کو..... فبد عمر کو اپنے بھائی کو۔ اپنے پاپا کی آخری نشانی کو ... اس کی آواز کا نتیجہ۔

"فبد کو پہلی بار چھووا۔ میرے جسم میں گرم آنے لہر دوز گئی، جیسے ڈھیروں خون شریانوں میں امنڈ آیا ہو۔ اسے خاموش کرانے کے لیے بے ساختہ ہینے سے لگا کر تجھکا تو جیسے دھڑکنوں میں تلاطم آ گیا۔ میری آنکھیں امنڈ آئیں۔ اس کی پیشی بدلتے ہوئے، فیدر تیار کرتے ہوئے، ٹھنڈے پر لٹا کے دودھ پلاتے ہوئے۔ میں میں کراسے ملانے کی کوشش کرتے ہوئے میں روٹی رہی۔ مسلسل روٹی رہی۔ ڈبو گیا، میری گودیں بیٹھنے لگیں، منہ میں انکو ٹھاڑ بانے سو گیا۔ میرا چبرہ آنسو وہ اسکے اور میرا جو دیکھتے ہیں تھے جیکہ چکا تھا۔ میں نے اس کے ماتھے پاپا پہلے بوسہ دیا اور پھر پھلے بیوی سے اس کی پیشانی اکھیں ایک اٹو رشتہ بندھ گیا۔ اب وہ نیڑا فمد تھا۔"

وہ چھپ ہو گئی۔ آنکھیں ساکت تھیں، لیکن الگ مسکرارے تھے، جیسے ابھی انہیں کسی فرم سی پیشانی کے گدگداتے تھے اس نے انہیں کھلنے پھیلنے کر دیا۔ مجھے دراہے اسی طرح کمر کی چھتے رہنے کے بعد میں خپٹنے کر سکا۔

"پھر... پھر کیا ہوا۔ تمہارے بھائی سے تو یہ برا داشت نہ ہوا ہو گا۔"

"برداشت۔" وہ پھرست ماضی میں چالنے کی حالت کی جسے بھائی کے پیشہ میں تھا۔

"برداشت تو کیا، وہ تسلیم کرنے پہنچی تیار ہیں۔ بندھوں میں جتنے ہوں اور دیکھنا ہے۔ انہوں نے اب پھوپھو سے بھی سارے لحاظ مالائے کاٹ رکھ دیے۔ جو ان کے مطابق پھوپھو کے لیے انہیں بخدا میں بخاد قائم کرائے گئے، جو بھی اسکے انتہا کر رہی ہیں۔ بہت ہنگامے ہوئے، لیکن میں ڈالی رہی۔ آتنے سبزے اور ریک اگرے کے پھوپھو کوخت دل گرفتہ کیا۔ انہوں نے مجھے پلنے کو کہا اور پہنچی کہ وہ اکیلی اسے پال سکتی ہیں۔ لیکن میں نے پلنے سے انکار کر دیا۔ میرا خون سفید تھیں ہوا تھا۔ وہ تھا پاپا کا بیٹا زینا عمر کا بھائی۔ فبد عمر..."

وہ اب مجھے پہنچانے لگا تھا۔ مجھے دیکھ کے ہوا میں ہاتھ بلند کر لیتا، جیسے اڑ کے مجھے سک آنا چاہتا ہو۔ اس نے پہلا قدم میری انگلی تمام کے اٹھایا تھا۔ اس کے لیوں سے پہلا لفڑ آپی۔ انکا تھا وہ چار سال کا ہو چکا تھا۔ البتہ اس کی صحت پہلے جیسی تھی۔ جب اس کی

چکھاہت کامنٹا ہرہ نہ کیا۔ میں اتنی حیران ہوئی کہ عدالتی کارروائی کے خلاف احتجاج تک نہ کر سکی۔ مجھے یقین بھی نہیں آیا کہ یہ حرکت میرے تعلیم یافت، اعا انسب خاندانی بھائیوں نے کی ہے۔

میں یہ تذلیل برداشت نہ کر سکی۔ اس دن میں نے اور پھوپھونے فہد کے ساتھ وہ ایسکی خالی کردی۔ وقت بہت کم تھا۔ اور فہد کی حالت دن بد خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا واحد گردد جینے کی کوشش میں اور بھی بائکان ہوا جا رہا تھا، میں نے دوسرا مجر نہیں "آسان راستہ منتخب کیا۔ میں چوبیس سال کی بوجھی تھی۔ میرے تعلیم مکمل تھی۔ میرے

عہدین کا انتقال ہو چکا تھا اور بھائیوں نے لاقعاتی اختیار کرنے کا قانونی نوٹس دے دیا تھا۔ عدالت ہمہ جانے بغیر بڑی آسانی سے صرف آیت نوٹس کے ذریعے میرادیکس ہی کامی ہے تو تمہارے کچھ بھی کرنے کا لامکہ نہیں کامیاب ہو گی۔ میں نے بھاگ دوڑ کر کے اونے پونے میں رہو گی۔" تیاری میں تھی کہ بیٹے فہد کے عاشر و بیہتر میں نے ایک بار پھر صبر کر لیا۔ کیا کرتی اس بار بھی لینے والا اللہ تھا۔ ہاں بھیا کو میں نے خدا نہیں بننے دیا۔ ان کو میں ہر آئی کامیابی کا اعلان کر دیا۔ "عشر و بیہتر میں کامیاب ہو گی۔ میرا فہد....." وہ گھنٹوں پر سر رکھ کے رونے والوں کے دھوے کو ثابت کرنے کی میں نے تجھے اتنا جانتے ہیں جاہل کیا ہوا....؟ میں بھتی تھی قانون فہد کو عمر فاروق کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے برابر کا حق دے گا میں اسے علاج کے لیے باہر لے جاؤں گی۔

"زینا! بس کرو اس معصوم پیچے لوٹایف ہو رہی ہو گی۔"

مجھے یہ حسپاں کچھ بھکڑا تارہ تھا۔ لہاگر بھیا اس کے خانج میں تاخیر کا سبب نہ پتا ہے.... عاشر ابادت میرے وہم و گمان دیتے بھی تھے۔ میں تو کیا مجھے اپنے بھانے والی پھوپھوتک دلگ رو گئیں۔ انسیں اپنے بھائی کے خون سے اس ملکے پنا کی تو قندین تھی۔ انہوں کی اتنی تباہ و کرماں میں کسی کو یہ بتاتے ہوئے بھی شرم محسوس کرتی ہوں کہ؛ میرے بھائی ہیں۔ میرے اپنے بھائی۔ میرے اپنے باپ کی اولاد۔ جنہوں نے اپنے می باپ کی اولاد۔ "وہ لب شرمندگی کا باعث تھا میں نے جانے سے انکار کر دیا۔

ان کے بار بار تھک کرنے پر میں نے اسلام آباد پھوٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا زلف آچکا تھا۔ حسب سابق میں نے پوزیشن لی تھی۔

پاپا کی محبت کا قرش اور فہد کی محبت کا تقاضا تھا کہ میں زندگی بھر زید بھیا اور زین بھیا کی شکل نہ دیکھوں، کیونکہ وہ دونوں ان دونوں کے مجرم تھے۔ اور اس کا واحد حل تھا کہ میں اپنے مل بوتے پہ جینے کی کوشش کرتی۔ اپنی پر اپری اونے پونے بیچ کے میں دیے ہی نقشان اخراج چکی تھی۔ جو بچا وہ سمیت کے پھوپھو کے ساتھ لا ہو رہی آئی۔ اتنا کچھ تو تھا کہ

آخر کار زین اور زید بھیا دونوں کی جانب سے صاف انکار سننے کے بعد میں نے وہ آخری قدم اخوانے کا سوچ ہی لیا۔ پھوپھونے مجھے بہت روکنا چاہا۔ لیکن میں نے ایک نہ سی۔ میں اپنے بھائیوں کی سوسائٹی میں پوزیشن فراموش کر چکی تھی۔ مجھے صرف فہد کو العاف دلانا یاد تھا۔ پھوپھونے ایک بار پھر سمجھانا چاہا۔ "کیوں خود کو تھا کر رہی ہو۔ نہ ماں ہے، نہ باپ، یہ دو بھائی ہی تمہاری چھت ہیں اور یہی سہارا۔

وہ بے لحاظ اور بے مرد بھوکے ہیں، اپنی مدد پوری کرنے کی خاطر، ہر قدم اخوان سکتے ہیں۔ ان کے دل نفرت نے سیاہ گڑا لے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ سمجھوتہ کو پر اگر فہد کی زندگی ہوئی تو تمہیں اس سے کون الگ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر خدا نے ہمہ ایں غیر اخوانی تھیں تو تمہارے کچھ بھی کرنے کا لامکہ کوئی ناکام نہیں۔ میرا فہد کے خارے "نہیں چھوپھو.....! میں فہد کو یوں سے بھی بُر لاحاری سے مرتے نہیں دیکھیں۔" عاشر..... میں نے ایک بار پھر صبر کر لیا۔ کیا سکتی۔" میں نے تھیہ کر لیا اور اسی شام وکیل سے ملی۔ لہجے میں دن میں نے کورٹ میں فہد کی سرپرست کی حیثیت سے زید فاروق تھی پر جائیداد میجا چشم کی اپنی کوئی خانہ۔ فہد کے وارث ہونے کے دھوے کو ثابت کرنے کی میں نے تجھے اتنا جانتے ہیں جاہل کیا ہوا....؟ میں بھتی تھی قانون فہد کو عمر فاروق کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے برابر کا حق کیا ہوا....؟ میں بھتی تھی قانون فہد کو عمر فاروق کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے برابر کا حق دے گا۔

"کیا انہوں نے فہد کو مر رادا۔؟" "انہوں نے اپنے بھائی سے کہہ اخوان۔" عاشر انہوں نے اپنے اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے فہد کی ماں کے رشتہ داروں کو خرید لیا اور نکاح نامے کو ثابت کرتے ہیں۔ فہد کا کہ فہدان کے باپ کی ناجائز اولاد تھا۔ فہد کے نانا نے بھی میری ہوئی بیٹی کی قیمت وصولتے ہوئے

"انہوں کو ایک بار پھر مار دیا۔" اس نتیجکی ای۔ "عاشر انہوں نے اپنے بھائی سے اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے فہد کی ماں کے رشتہ داروں کو خرید لیا اور نکاح نامے کو ثابت کر دیا کہ فہدان کے باپ کی ناجائز اولاد تھا۔ فہد کے نانا نے بھی میری ہوئی بیٹی کی قیمت وصولتے ہوئے

ایسے اور سب سے بڑھ کے فہد سے اس کا گاؤں بھی ہمیں اور ترقیب لے آیا اب ہمارے تعلقات آفس تک محدود نہیں رہے تھے۔

وہ تو اپنی تمام زندگی میرے سامنے کھول ہی چکی تھی۔ میں بھی اپنی ہر قابل ذکر کے جانے سے ختم نہیں ہو جاتی۔ تمہارے گھر فہد سے ملی تو احساس ہوا میرا نہ دنیا میں ایک ہی نہیں تھا۔ یہاں تو ہزاروں فہد ہیں۔ سب پیارے ہیں۔ ”ود آنسو ایک بار پھر صاف کرتے ہوئے مسکرا نے لگی۔

”آج اس کی دوسری برسی پر میں روشنی میں چاہتی تھی۔ اس لیے تمہارے گھر گئی فہد سے مل کے فہد کی یاد کو بھلانا چاہتی تھی۔“

فہد کے بارے میں اور کیا بتاؤں، سناؤئے اس کے کہ وہ میرا سب کچھ تھا لب بٹھنگی۔ بالکل خالی ہاتھ ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہتا۔“

”میں ہوں زینا....! میں ہوں تمہارے پاس۔“ میں کہنا تو چاہتا تھا، لیکن خود کو اس سپردگی پہ آمادہ نہ کر سکا۔ میرے ہاتھ بڑا ہے، لیکن ہاتھ پر شمارا دینے لے جائے ضرر فل دلسا دے کر رہ گئے۔ میں اس کے آنسو میں اضافہ کر دیا تو میری علیحدی تھی۔

”میں غمیں جانتا کہ فرشتوں کی آنکھیں ہوتی ہیں یا نہیں۔ لیکن اگر ہوں گی تو شاید، بلکہ یقیناً“ ایسی ہی ہوں گی۔ پاک آنسو کے مہمان یا کہ آنسو کے۔ آنسو پچھتا دے کے تھے نہ پشمنی کے۔ نہ ڈکھ کے، نہ پھر کے، نہ پھٹک کے۔“ آنسو کو دیکھ کر اس کی طرح دستے اس آنسو کو دیکھا رہا۔

”اور آنسو ایسے بھی ہوتے ہیں۔ گدنے، میڈے لے کر کھانے، نوادرت۔“ اپنی سیست پر بیٹھے اچانک حال میں واپس آتے ہوئے میں اپنی اتنی راہ جو نہ کیا، جہاں کوئی دیر میں میری تھی آنکھ سے ایک آنسو آزاد ہوا کے گریا تھا۔ آنسو خشک ہو چکا تھا، اس کا شکر ہوا تھا۔“

”کیا یہ میرے دل کی سیاہی جو آنسو کے راستے باہر آگئی۔ آنسو دل کے راستے ہی تو آتے ہیں۔ کیا اپنے دل کی سیاہی مکمل صاف کرنے کے لیے مجھے اور روشن چاہیے۔“

☆☆☆

اس کی احیا تھا جان کر میں اب اسے پلے سے بڑھ کے پسند کرنے لگتا۔ بخشنے میں سو خامیاں ہوں، لیکن ہر تاریں انسان کی طرح میرا بھی ایک آئندہ میں تھا۔ خامیوں سے پاک، ہر برائی سے مبرا، اٹلی نظر، بلند کردار، محبتوں کی انتہا چھو جانے والا ایک مثالی کروار... وہ ایسی ہی تھی۔

اس دن جب وہ فہد سے ملنے آئی تو سوئے اتفاق شرمن کے پلے سے کسی بات پر بھری بیٹھی تھی۔ فہد نے اس کے سامنے اس کا موازنہ کی بات پر زینا سے کیا تھا اور اپنی فطری بچگانہ سادہ دلی سے کام لیتے ہوئے اپنی فیورٹ زینا آئی کو زیادہ مارکس دے ڈالے۔

شرمن سے یہ چاہی نہ ہو گی، اس نے نہ صرف فہد کو جھاڑ کے رکھا بلکہ زینا کو بھی غائبانہ بے نقط نہیں۔ مجھے سے برواشت نہ ہوا۔ میرا بیڑک کے بول اخناء سے مزید مشتعل کر گیا۔ ابھی ہماری سکرار جاری تھی کہ زینا کی آمد ہو گئی۔ سارے معاملے سے سکر انجان وہ بے چاری فہد کا بوسوتا چہرہ اور خفا خنا انداز دیکھ کے پریشان ہو گئی اور

صرف اتنا پوچھنیجی۔

"کس نے ستایا۔ میرے بچے کو... مجھے نام بتاؤ؟"

"اس کا پچکارنا شرمن کو ایک آنکھ نہ بھایا زہر لیے لجھ میں پچکاری۔

میں ہوں تا اس گھر کی واحد اُن، میرا ہی منہوس سایہ ہے اس بے چارے سے

بچے پہ، آؤ میرا کام تمام کرو۔ مارڈا لو مجھے۔ فہد کو میرے آسیب سے چھکارا دلا دو۔"

"آپ... شرمن، یہ آپ کیا کہہ..... وہ بھوپلی رہ گئی۔

خود مجھے اور امی کو بھی تو قع نہیں تھی کہ وہ سارے لحاظ بالائے طاقِ رحمتی بولی گھر آئی

مہماں کا تیا پانچ کرنے پہ اتر آئے گی۔

"با انکل قمیک کہہ رہی ہوں، جس طرح تم میری اولاد کو میرے ہی خلاف بھوکا ہوئے

ہواں سے تمہارے بارے میں اور کہا زادے قائم کی جا سکتی ہے۔ اس کا نام بھل رہا تھا

کہ وہ زینا کو ادھیر کے رکھا دے۔

"میں چلتی ہوں۔" زینا بھی بیٹھی نہ ہے، بلکہ پڑی دشتر اس سے غائب

ہوئے۔ شرمن کے پاس نہ تھا، اس نے آگے بڑھ کے اسے روئے

کی کوشش کی۔

"ایک منٹ زینا! تم جا سکتی ہو، مگر ایسے نہیں۔" بھل کر زینا نے دلچسپی اٹھے قدموں واپس لوٹ گئی۔

شرمن تم نے زینا کی جوانی کی ہے اس کا ازالہ تمہارے دلوفلوں کے بیش بواہ بیٹھا۔

یہ بھی کہہ دو تو میں تمہیں معاف کر دیں گا۔"

ای میرے کہنے پر حب ہی رہیں۔ جس کا مطلب ہم تمہارے نے ہونے والی بد سادی

اور شرمن کی بد نیزی اپنی بھی گراں گزری ہے۔ مجھے امر رشتہ بھی

"تم نے سنائیں، میں نے کیا کہا۔" - وہ بیان کھڑی تھی جیسے پرستی کی قیمت اس کی قیمت

سے باہر ہو۔ اچانک وہ دھاڑی۔

"محانی.... اور میں... اور وہ بھی اس سے۔"

"ربنے دو، عاشر! کوئی بات نہیں۔" زینا نے نہتے روکنا چاہا، مگر میں نے اسے

بولنے سے باز رہنے کا اشارہ دیا۔

"زینا تم میری مہماں ہو۔ تمہاری انسٹ میری انسٹ ہے۔"

"اور میں..... میں تمہاری پچھنیں لگتی... میرے مقابلے میں تم ایک معمولی آتی

درکر کو اہمیت دے رہے ہو۔" شرمن پر میری بات سنتے ہی بذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔

"وہ معمولی نہیں ہے۔ معمولی تم ہو، تمہاری ذہنیت ہے اور تمہاری خصلت ہے۔ اپنا

مقابلہ اس سے کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تم.... تم عاشر....! تم مجھے بیٹھ ذیل کرتے ہو۔ تمہارے ہوتے میں کبھی خوش رہا ہی نہیں سکتی۔ اللہ کرے یا تم مر جاؤ، یا میں مر جاؤ۔" اپنے بال نوچتی وہ جاہل۔

غورتوں کی طرح بدعاویں پہ اتر آئی۔ اب تک خاموش کھڑی امی نے اسے تجھے کی۔

"بند کرو یہ تماشا شرمن! تم میرے سامنے میرے بیٹے کو کوں رہی ہو۔"

"تمہارا بینا، ہاں تمہارا بینا۔" وہ بد تیزی کی انتباہ پہ اتر آئی اور اچانک فہد پہ

لپکی۔ "یہ تو میرا بینا ہے۔ میرا اپنا بینا۔ میرا جو دل چاہے گا کروں گی۔ کوئی روک سکتا ہے

توروک لے۔"

اس نے اچانک فہد کو بے تھاشا پیٹا، بہرہ ع کر دیا۔ وہ بے چارہ حیرت کی شدت

سے چھپا کر بھول گیا اور اسکی بینے جان گذارے کی طرح آنکھیں پھاڑے اس کے جنونی

ہاتھوں کی گرفتاری میں مار کھانا رہا۔ زینا کی لے ساختہ چھینیں نکل گئیں۔ میں اور ای فوراً

"اسے چھرانے کے لیے بھوڑا۔ بمشکل اس کے ہاتھوں سے فہد کو چھڑانے میں کامیاب

ہوئے۔ شرمن سرپٹ بھائی اسے کرے میں چلی گئی اور دروازہ لاک ہو گیا۔ زینا

کی کوشش کی۔

ایک منٹ زینا! تم جا سکتی ہو، مگر ایسے نہیں۔" بھل کر زینا نے دلچسپی اٹھے قدموں واپس لوٹ گئی۔

شرمن تم نے زینا کی جوانی کی ہے اس کا ازالہ تمہارے دلوفلوں کے بیش بواہ بیٹھا۔

یہ بھی کہہ دو تو میں تمہیں معاف کر دیں گا۔"

ای میرے کہنے پر حب ہی رہیں۔ جس کا مطلب ہم تمہارے نے ہونے والی بد سادی

اور شرمن کی بد نیزی اپنی بھی گراں گزری ہے۔ مجھے امر رشتہ بھی

"تم نے سنائیں، میں نے کیا کہا۔" - وہ بیان کھڑی تھی جیسے پرستی کی قیمت اس کی قیمت

سے باہر ہو۔ اچانک وہ دھاڑی۔

"محانی.... اور میں... اور وہ بھی اس سے۔"

"ربنے دو، عاشر! کوئی بات نہیں۔" زینا نے نہتے روکنا چاہا، مگر میں نے اسے

بولنے سے باز رہنے کا اشارہ دیا۔

"زینا تم میری مہماں ہو۔ تمہاری انسٹ میری انسٹ ہے۔"

"اور میں..... میں تمہاری پچھنیں لگتی... میرے مقابلے میں تم ایک معمولی آتی

درکر کو اہمیت دے رہے ہو۔" شرمن پر میری بات سنتے ہی بذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔

"وہ معمولی نہیں ہے۔ معمولی تم ہو، تمہاری ذہنیت ہے اور تمہاری خصلت ہے۔ اپنا

"وجہ اس کا حسد تھا اور تسلی پسند رویہ وہ برداشت نہیں کر سکی کہ فہد اس کا اپنا بینا

کامیاب نہ ہو سکیں۔

"عجیب بہت دھرم اور سخت دل عورت ہے۔ مہینہ ہو چلا ہے گھر سے نکلے۔ پٹ کے شوہر اور بچے کی خبر نہیں لی۔ چلو میاں سے تو ناراضگی ہے، بچے سے کیا لڑائی۔ کیا بچے کی کر سکتی۔ فبد کے بارے میں وہ لاکھ تھی، لیکن ایک ماں کے اندر اتنا تو یقین ہوتا ہے کہ یاد بے چین نہ کرتی ہو گی اس کم عقل کو وہ تو سارے دروازے بند کر کے بینہ گئی ہے۔

چلو نہ جھکے، ہم ہی جھک جاتے ہیں۔ ایک بارفون پہ آئے تو سکی، ہاتھ جوڑ کے معافی مانگ لوں گی، بپورانی سے ٹھیک ہی ہے۔ غیروں کے لیے اپنے گھر میں کیوں فساد پیدا ہو۔ اگر اسے نہیں پسند تو میں منع کر دوں گی۔ زینا کو فبد سے لٹنے کے لیے، اگر چاہے تو باقر کے کام بھی اس کے سامنے ٹھیک لوں گی۔ مگر بی بی بات تو کرے۔"

آپ سے محبت بھی نہیں کرتی۔ اسے خود سے اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں عاشر! کل میں نے جانا ہے کہ تمہارا تجزیہ کتنا درست تھا اور کتنا غلط تھا۔"

اس نے کہداں میز پر نکا کے اپنا چہرہ دونوں شہزادت کی انگلیوں کے سرستہ پر کاٹ ہوئے میری ابھیں بھری آنکھوں میں اپنی کھونج بھری آنکھیں گاڑ دیں۔ "تم صاف صاف بات کرو پلیز۔" اسے کسی سے محبت ہے عاشر۔" اس نے "ہے پڑو پڑو کر کہا۔

"اتی کہ اس نے خود سے بھی محبت کرنا چھوڑ دی۔ لیں محبت نے اسے اس بری طرح بھروسہ کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی تک سے بیزار ہو گئی۔" محبت کا نہ تو تمہارا کا راستہ ملانہ پذیرا تی کا۔ النادھ کار اور نفرت نصیب ہوئی۔ بدستہ میں اس نے بھی اپنی محبت کو نفرت کا پہنچا وادے دیا۔ لیکن عاشر اندر سے یہ محبت پھنس پھیاڑے جھولتی رہی۔ کل اس کی اس محبت نے حسد اور رقاہت کی آگ میں جل کے نفرت اکٹھکنے کے احساس سے سُلگ کے اپنی ہی زندگی کو ڈس لیا۔ یہ آخری ظلم تھا۔ جو اس محبت کے اس اڑکن پھٹھا ہے ایسا۔" کیسی محبت۔"

"وہ محبت..... عاشر..... جو شر میں کو تم سے تھی اور ہے۔" اس نے دھما کا کیا۔

ہست نہیں اس میں، تم اس کی خالی خولی دھمکیوں نمی آ کے اس کی زندگی بریاد کر رہے ہو۔"

"وہ اب کم ہمت نہیں رہی آپ۔ آپ نے محسوس ہی نہیں کیا وہ لکھنی بدلتی چکی ہے۔ پچھے سرال سک نہیں گئے تھے۔ کچھ اس بات کی شرمندگی یا خوف بھی تھا کہ ماں جان کا اپنے طور پر نوش بھجوادیا۔ اب آپ ہی بتا دیجئے کہ اس میں اتنی ہمت آئی ہے تو اس نے اپنے مل بوتے پہنچنے تھی۔ اسی جان سے تو وہ کئی بارہ داشت کھا جکے تھے۔ لیکن اس نوبت مار کنائی تک نہیں پہنچنے تھی۔ اسی جان سے تو وہ کئی بارہ داشت کھا جکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ان کے مطابق اپنے سرال یوں کو منانے کے لیے جانے پڑا تھا۔ اسی جان نے دو تین بار بھائی کے گھر فون کیا لیکن شر میں سے بات کرنے میں

"یہ ہمت بھی تم نے ہی دی ہے قاسم! اس کی ہرجا بے جا خدا پوری کی۔ اس کی ہر

ہوتے ہوئے تمہارے زیاد تریب ہو جائے۔"

"تمہارا تجزیہ کی حد تک درست ہے لیکن میں اسے فہد والے معاملے پہ لاؤ نہیں کر سکتی۔ فبد کے بارے میں وہ لاکھ تھی، لیکن ایک ماں کے اندر اتنا تو یقین ہوتا ہے کہ اس کی اولاد صرف اس کی اپنی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ جذبہ رقباً تھا، لیکن اس کی جزیں کہیں اور گزری ہوئی ہیں۔" سوچی نظروں سے وہ مجھے تکتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو تم۔" میں چونکا۔

"تم نے ایک بار کہا تھا کہ شر میں کسی سے محبت نہیں کرتی۔ بلکہ کسی سے کیا وہ اپنے آپ سے محبت بھی نہیں کرتی۔ اسے خود سے اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں عاشر! کل میں نے جانا ہے کہ تمہارا تجزیہ کتنا درست تھا اور کتنا غلط تھا۔"

اس نے کہداں میز پر نکا کے اپنا چہرہ دونوں شہزادت کی انگلیوں کے سرستہ پر کاٹ ہوئے میری ابھیں بھری آنکھوں میں اپنی کھونج بھری آنکھیں گاڑ دیں۔ "تم صاف صاف بات کرو پلیز۔" اسے کسی سے محبت ہے عاشر۔" اس نے "ہے پڑو پڑو کر کہا۔

"اتی کہ اس نے خود سے بھی محبت کرنا چھوڑ دی۔ لیں محبت نے اسے اس بری طرح بھروسہ کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی تک سے بیزار ہو گئی۔" محبت کا نہ تو تمہارا کا راستہ ملانہ پذیرا تی کا۔ النادھ کار اور نفرت نصیب ہوئی۔ بدستہ میں اس نے بھی اپنی محبت کو نفرت کا پہنچا وادے دیا۔ لیکن عاشر اندر سے یہ محبت پھنس پھیاڑے جھولتی رہی۔ کل اس کی اس محبت نے حسد اور رقاہت کی آگ میں جل کے نفرت اکٹھکنے کے احساس سے سُلگ کے اپنی ہی زندگی کو ڈس لیا۔ یہ آخری ظلم تھا۔ جو اس محبت کے اس اڑکن پھٹھا ہے ایسا۔" کیسی محبت۔"

☆☆☆

اس بار شر میں اکیلی گئی تھی۔ فبد گھر پہ ہی تھا اس لیے ابھی تک بھائی جان اس کے جزوی ہو چکی ہے۔ لیکن میں تو اسے جھوٹی تسلی سے نال رہا تھا۔ لیکن اس نے چپ چاپ سامنا کیے کریں گے۔ اس سے پہلے بھی ان دونوں کے درمیان کئی جگہے ہوئے مگر نوبت مار کنائی تک نہیں پہنچنے تھی۔ اسی جان سے تو وہ کئی بارہ داشت کھا جکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ان کے مطابق اپنے سرال یوں کو منانے کے لیے جانے پڑا تھا۔ اسی جان نے دو تین بار بھائی کے گھر فون کیا لیکن شر میں سے بات کرنے میں

بے وقوفی میں اس کا ساتھ دیا۔ اسے گھر بنانے کی تعلیم دی ہوئی تو اب اس کے کام آتی،
دہ تہبارے کہے میں ہوتی۔“
کر رکا۔ تجھجا اکر میری محبت بھی بار ماں گئی۔ لیکن اگر تم ساتھ دو تو وہ دن پھر اٹھ سکتے
ہیں۔ میں سب بھول جاؤں گا۔ بھلے تم پبلے کی طرح مجھ سے اکھڑی اکھڑی رہو۔ میں پھر
بھی تمہیں.....”

”مجھے نہیں چاہیے تہباری یک طرف فقیرانہ محبت۔“ بھائی جان کی اس درجہ مفاہمت
پر بھی اس کا لبھہ زرم پڑا نہ دل۔

”نہیں چاہیے ایسی زندگی جس میں... میں خود.... کسی کو پیار کرنے کے لیے
ترستی رہوں۔ مجھے صرف تہباری محبت نہیں چاہیے، میں جب خود تم سے محبت نہیں کر سکی تو
اوہ اگر بھی میرے کہنے میں نہ ہوتی تو باقر سے شادی ہی کیوں کرتی۔ اس نے کتنی پاڑی
کہنا چاہا کہ اس کی اور باقر کی عمر میں بہت فرق ہے۔ لیکن میں نے تختی سے سانچہ پر رہی
کر دیا کہ عمر کا یہ فرق قب میرے زد دیکھنی نہیں رکھتا تھا۔“

”تم میرے ساتھ بھی بھیج دیا جائیں، میں خود تم پر تھوکنا تک پسند نہیں کرتا۔“
بھر سالی عمر بھی سے شرمند ہی رہا۔ ہر بار اس کے نیکے ہاتھے کے بعد اس کے
عورت نے ایک مزاح کے انداز پر کیا تھا۔

”تم میرے ساتھ بھی بھیج دیا جائیں، میں خود تم پر تھوکنا تک پسند نہیں کرتا۔“
سوالوں کے جواب دینا پڑے۔ ڈیڈی آپ تو کہتے تھے.....
آپا! بات اب میرے بس میں نہیں رہی۔ باقر سے کہیں وہ اگر یہ رشتہ قائم رکھنا چاہتا
ہے تو اپنے طور پر کوشش کرے۔ شاید معاملہ د جائے۔“

بڑی مشکل سے امی جان نے باقر بھائی جان کو منتظر کر رہا تھا۔
”وہ صرف میرا بھائی ہے، صرف میرا..... خبردار جو اس کے بارے میں کوئی سوال کیا۔
آمادہ کیا۔ ادھر ساموں بھی بمشکل شرمند کو ذوق تک لا سکے۔ ٹھوٹا کرہا بھائی جان نے اپنے
طرز عمل کی معافی بھی مانگی، آئندہ ایسا کچھ نہ کرنے کی یقین دھانیں بھی کرائی۔ جواباً“ وہ
بڑے سخن سے نہیں۔ بھائی جان نے فون کے اسیکر آن کر کر لے ٹھہر کر آئی کو اندازہ
ہو سکے انہوں نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے۔“

”آئندہ ایسا ہو گا بھی کیسے۔ بس تہبار اور میرا ساتھ ہیں تک تھا، میرا باقر
”شرمن! ابھی ہمارے سامنے زندگی پڑی ہے۔“
”ہاں وہ تو ہے، بلکہ میری زندگی تو شروع ہی اب ہو گی۔ تہبار نام اپنے نام کے
آگے سے کھرتے کے بعد، میری ایک نیز زندگی کا آغاز ہو گا۔“

”میں نے تمہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کی۔“
”تمہیں کیا پکا میری خوشی کیا ہے؟“
”تم نے بھی بتانے کی ضرورت بھی تو محسوس نہیں کی۔ آخر میں بھی انسان ہوں
کتنے سال پھر سے سر پھوڑتا۔ میں نے تمہیں بے تحاشا محبت دی، مان دیا، تہباری ہر
بولتے رہے۔

”بس کچھ آپا! زندگی پچھی کی بر باد؛ وہی سے اور باتیں بھی مجھے سننا پڑ رہی
ہیں۔ یہ تو میری اشرافت ہے جو حمل سے معاملہ سنہارا نے کی کوشش کر رہا ہوں، درنہ پسلے تو
باقر سے باز پرس کرتا کہ آخر اس نے ایسا کیا کہا کہ میری پچھی اس حد تک خود سے اور زندگی
سے بیزار ہو گئی۔“

”بھائی جان کی اس درجہ مفاہمت پر بھی مجھے سانچہ پر رہی
کہنا چاہا کہ اس کی اور باقر کی عمر میں بہت فرق ہے۔ لیکن میں نے تختی سے سانچہ پر رہی
کر دیا کہ عمر کا یہ فرق قب میرے زد دیکھنی نہیں رکھتا تھا۔“

”تم میرے ساتھ بھی بھیج دیا جائیں، میں خود تم پر تھوکنا تک پسند نہیں کرتا۔“
”آپا! بات اب میرے بس میں نہیں رہی۔ باقر سے کہیں وہ اگر یہ رشتہ قائم رکھنا چاہتا
ہے تو اپنے طور پر کوشش کرے۔ شاید معاملہ د جائے۔“

”تمہیں کیا پکا میری خوشی کیا ہے؟“
”بھائی جان کو ذوق تک لا سکے۔ ٹھوٹا کرہا بھائی جان نے اپنے
طرز عمل کی معافی بھی مانگی، آئندہ ایسا کچھ نہ کرنے کی یقین دھانیں بھی کرائی۔ جواباً“ وہ
بڑے سخن سے نہیں۔ بھائی جان نے فون کے اسیکر آن کر کر لے ٹھہر کر آئی کو اندازہ
ہو سکے انہوں نے اپنے طور پر پوری کوشش کی ہے۔“

”میں نے تمہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کی۔“
”تمہیں کیا پکا میری خوشی کیا ہے؟“
”تم نے بھی بتانے کی ضرورت بھی تو محسوس نہیں کی۔ آخر میں بھی انسان ہوں
کتنے سال پھر سے سر پھوڑتا۔ میں نے تمہیں بے تحاشا محبت دی، مان دیا، تہباری ہر
بولتے رہے۔

کیا قیامت ہے کہ دل جس کا گھر ہے محض
دل پر اس کا بھی اجارہ دیکھا نہیں جاتا
زینا کا گھر آنا اور تسلی سے بڑھ گیا۔ وہ امی جان کی دلجوئی کرنے اور فبد کو
سنچانے کا فریضہ خوش دلی سے ادا کرنے لگی۔ وہ دونوں اس کے عادی بنتے جا رہے تھے
اور میں زینا کو ان دونوں کا خصوصاً "فبد کا عادی بناؤ کیجئے کے مضمون ہو رہا تھا، اس اب
منزل کچھ آئی دور تھی۔ میں اس دن کا انتظار کر رہا تھا جب زینا... ایک عام سی لڑکی بن
کے میرے آگے اپنی بار مان جاتی۔ اپنی خاموش محبت کو زبان دینے پر مجبور ہو جاتی۔ مگر وہ
دن آئی تھیں رہا تھا۔ اس کی جھکی آنکھوں والی پرس دھمکی مسکراہٹ اب میرے سامنے اور
بھی دوستی کی ہو جاتی۔ میری تعییں اس مسکراہٹ کی لطیفی گرفت میں چاق جاتیں اور
زینا کو بھی اس واقعے کا بے حد افسوس ہوا۔ اس نے مجھے سے اس بارے پہنچا بات

"سنچال کے رکھا پنے دکیل کو اور اپنے کاغذات کو میں لعنت بھیجا ہوں عدالت
پر، تم میری طرف سے ابھی اسی وقت فارغ ہو۔ لو سنچال والوں آخڑی تھے کو۔ تم اسی کے
لائق تھیں، تمہیں رونمائی میں بھی بھی تھے ملتا چاہیے تھا۔ طلاق.... طلاق
..... طلاق....." ایک طوفان آکے گزر گیا۔

ای کئی دن فبد کو گود میں لیے آنسو بیائی رہیں۔ باقر بھائی جان نے خود کو لا پر دن طاہر
کرنے کی بہت کوشش کی۔ میں.... میں حیرت انگیز طور پر پر سکون تھا۔ یہ ہونا ہی تھا بلکہ
یہی ہونا چاہیے تھا اس گھر کے لیے۔ ہم سب کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ شر میں کا ہم
سب سے دور جانا۔

بھی دوستی کی ہو جاتی۔ میری تعییں اس مسکراہٹ کی لطیفی گرفت میں چاق جاتیں اور
بھی یقین ہے لگاتا ہے عاشر ملک، زینا عمر تمہیں چاہتی ہے۔ نوٹ کے چاہتی ہے، اسے
چاہنے دو۔ چاہنے رکھنے پر مجبور کر لئے جاؤ۔ یہاں تک وہ خود نوٹ جائے۔ پھر اس نوٹی
تمہیں اس پر اتنا ہی افسوس ہے تو جاؤ جا کے اپنی اپنے ناتھوں سے جوڑ کے اپنے گھر میں سجادوں گا۔ عاشر ملک کا
حوالہ ملنے سے وہ بھر سے نام ملے خاص بن جائے گی، لیکن وہ نوٹ ہی نہ پار ہی تھی۔ میں

نے لاکھوں کیس کیس
کے اور پکونہ ملے گا۔" میں اس بے زاری سے بولتا تھا وہ اپنی دل کی اندروں پر بنتے تھے
لیکن پا کے بینچے کیا۔ ٹلاں پالک سے اسکے کیben کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ
آئی نہنگ کے بو کے کو دیکھنے لگا۔ پلکیں جھک گئیں۔ دو تین بار سر بالکل ویسے ہی بلا یا۔

"تم کس قدر بے حس ہو۔" تمہیں آج پا چلا ہے۔" میں ہسا۔ "میں تو بھی شہم بے حس ہوں۔"
"میں نے کہا، تم بے حس" بنتے ہو۔ اس نے جنتے ہو زور دیجئے کے کہا۔
"اور اگر میں یہ کہوں کہ تم ضرورت سے زیادہ حساس ہیتی" ہو۔ ترکھنہ

میں نے چڑ کے جوابی کارروائی کی۔ بے حسی میرا پسندیدہ وصف تھا۔ نئے اپنے
احمایا خاصاً خیر تھا اور وہ مجھے اس سے محروم ظاہر کر رہی تھی۔ بھاہ بے حسی سے بڑھ کے نعت
اور گون سی ہو گی۔ زمانے بھر کا احساس پالد کھانا تو زی در درسی ہے۔

"کہہ او، تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں جو ہوں۔ سو ہوں۔"
"بڑی عنایت آپ کی۔ لیکن مجھے یہ مغربی روایات نہ پسند ہیں، نہ میں انہیں مانتی
ہوں۔ خیر نہیں تو آپ کی تھی خالی ہے۔" اس نے بو کے میری ہی نہیں کے ایک طرف رکھ
دیا میں تھنچلا گیا۔

"تم ان سرخ گما بوں کے قابل ہی کہاں، تمہیں تو وہ منحوں پیلے گاب پسند ہیں اچھا
ہوتا میں رسول کا پودا اکھاڑ لاتا، تمہارے لیے۔" وہ ہنسنے لگی۔

لیکن اس مرے ہوئے رشتے کا پوٹ مارنے کرنے بینچے جانا۔ سوائے تعفن
کے اور پکونہ ملے گا۔" میں اس بے زاری سے بولتا تھا وہ اپنی دل کی اندروں پر بنتے تھے
لیکن رہی۔

"تم کس قدر بے حس ہو۔" میں ہسا۔ "میں تو بھی شہم بے حس ہوں۔"
"اوہ اگر میں یہ کہوں کہ تم ضرورت سے زیادہ حساس ہیتی" ہو۔ ترکھنہ

میں نے چڑ کے جوابی کارروائی کی۔ بے حسی میرا پسندیدہ وصف تھا۔ نئے اپنے
احمایا خاصاً خیر تھا اور وہ مجھے اس سے محروم ظاہر کر رہی تھی۔ بھاہ بے حسی سے بڑھ کے نعت
اور گون سی ہو گی۔ زمانے بھر کا احساس پالد کھانا تو زی در درسی ہے۔

"کہہ او، تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں جو ہوں۔ سو ہوں۔"
اس نے پورے اعتماد سے کہا۔ وہ جو تھی۔ واقعی بس وہ ہی وہ تھی کوئی اور اس جیسا ہو
بھی کیسے سکتا تھا۔ لیکن میں اس سے کہہ نہیں سکتا تھا۔ میں تو محل کے خود سے بھی یہ اقرار
کرنے سے بھکپا تھا۔ مجھے اپنے دل کا اس کے آگے متاثر ہو جانے والا فدویانہ انداز ذرا
پسند نہ آیا۔

بہت دنوں بعد
تیرے خط کے اداس لفظوں نے
تیری چاہت کے ذائقوں کی تمام خوشبو
میری رگوں میں انڈیل دی ہے
بہت دنوں بعد
تیری باتیں
تیری ملاقاتات کی وحشک سے دبکتی راتیں
ایجاد آنکھوں کے پیاس پاتال کی تبوں میں
کیوں زور دے رہے ہو۔ میری شادی پر کیا خانی ہاتھ آؤ گے۔
وصالِ جنگلیوں کی چاند چنگاریوں کو سانسوں کی آنچ ڈے کر
تیرے نہکتے ہیں لفظوں اُن آثار میں
بہت دنوں بعد غرے سے
بجھ کر لا گئی ہیں
بہت دنوں بعد میں نے سوچا تینا دادا یا
کہ نہ کسی اندھر کی راٹھ سکا جائے پا تھی تک
تیرے رہنے لگتے ہوئے ہیں
بہت دنوں بعد میں نے سوچا تینا دادا یا
کہ میں بھی کتنا بدل گیا ہوں
پھر کے تھیں سے
لکھ لکھ وہیں ذہن گیا ہوں
بیجنگ اپنے سڑکتے کے بے ارادہ ذخیریں کی صورت
ہوا میں خلیل ہو گیا ہوں
نہ ذہونڈ میری وفا کے نقش قدم کے ریزے
کہ میں تو تیری تلاش کے بے کنار محramیں
نجانے کس راہ میں کھو گیا ہوں
میں واقعی کھو گیا تھا، نجانے اس نے بجھے کیے ذہونڈ نکالا۔ میں تو خود اپنی تلاش
میں تھا۔ اس نے صرف بجھے کھونج نکالا بلکہ بجھے بجھے سے ماوا بھی دیا اور میں عرصے بعد خود
کو دیکھ کے حیران تھا پریشان تھا اور پیشان تھا... یہ میں ہوں۔ عاشر ملک۔ کیا میں زندہ
جا نہیں ساخت... یہ خط ہی باعث بنا تھا، بجھے خود فراموشی کی اس دلدل سے کھینچ لانے

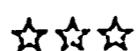
"لانا بکیا بہت ضروری تھا۔ دیسے بھی پھول دوسروں پر اچھے لگتے ہیں، شادی پر با
میت پر....."
"اچھا تو جب تم مردگی نا، تو پلیز مجھے ضرور بنا، میں یہ پھول لے کر سب سے
پبلے پہنچوں گا۔"

میں اس کی بے نیازی پر چلتا جا رہا تھا۔ کتنی مشکل سے میں نے خود کو اس پیش
رفت پر آمادہ کیا تھا کہ شاید ان گلبابوں کی مہک سے سکور ہو کے اگلا قدم ہے: انھا لے لیکن وہ
النماذج اڑائے جا رہی تھی۔

"تم نے شاید غور سے سنائیں، میں نے کہا، شادی پر یا میت پر، تم دوسرا جانب
کیوں زور دے رہے ہو۔ میری شادی پر کیا خانی ہاتھ آؤ گے۔"
پیغمبر دیش گھناتے ہوئے، چیزیں کی پیک لگائے، وہ چھپتے گریدتے انداز
سے پوچھ رہی تھی۔ آنکھوں میں شرارت کے ساتھ پچھے انگوہاں کی جواہش، بھی چمک رہی
تھی۔ بجھے پر اچاک اکٹشاف سا: وہ اکہ میری طیرح وہیں میری جانب سے پہلی بار انتقاد
میں ہے۔ میں نے اپنے تلکے کے دروازے اور مخفی طلاق سے بند کر دی۔

"خالی ہاتھ کیوں؟، آخر دوست ہوں تمہارا۔ پوڑا پھولوں پا نزک بھجوادوں گا۔"
میں نے دوست پر زور دے کے کہا۔ وہ جھکنے لگا۔ عاشر ملک کوئی کہرا
چیز ہے۔ جو گھنٹے نیک دے، بجھے تو قع تھی۔ دن بڑی آس سے پوچھ لی۔ صرف
دوست..... لیکن اس نے فوراً ہاتھ آگے کیا۔

"تو پھر وعدہ کرو، ہرگز نہ کہی، کم از کم ایسا بھی ایک بھروسہ کے ضرور بھیجو..... نہیں
بلکہ لے کر آؤ گے۔"
میں نے ایک نظر اپنے آگے پھیلی اس گلبی بستی کو لیکھا۔ دل پھر بھیجاں سائز
کے کہنے لگا کہ اس بوکے سے ایک گلاب توڑتے اس تھیں پر جادوں، لیکن میں نے اس پر
کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
"وعدہ....."



"میں نے سرخ گلبابوں کا انتشار شروع کر دیا ہے۔"
میں نے اپنی میت پر بیٹھے بیٹھے اپنے کوٹ کی اندر ولی جیب میں رکھے اس بلکے
گلبی کا نزد پر اٹھیاں پھیریں، وہ دس الغاظ پر مشتمل فقرہ..... اور وہ فرقہ ایک فقرے سے
جا نہیں ساخت... یہ خط ہی باعث بنا تھا، بجھے خود فراموشی کی اس دلدل سے کھینچ لانے

ہوں، کیا میں زندہ تھا اگر تھا تو کہاں رہا.....

☆☆☆

”سوری رائج نمبر۔“

صبح سے پانچواں فون تھا جس پر دوسری طرف سے آتی آواز کو سنتے ہی میں رائج نمبر کہہ کے فون رکھ دیتا تھا۔ موبائل پر الگ شور مچا ہوا تھا، آف تو کر کے نہیں رکھ سکتا تھا۔ البتہ نمبر پڑھ کے آن کرنے کی بہت گوارا نہیں کی۔

آفس کے فون سیٹ کارسیور اتار کے رکھنہیں سکتا تھا، کئی ضروری فون آتے تھے۔

سارا دن بھی تماشا ہوتا رہا۔ آفس سے نکلتے ہی میں نے اپنے موبائل سیٹ کو آف کیا۔ مگر

چینچتے ہی امی کوختی سے تاکید کی، کسی کا بھی فون آئے مجھے ہرگز ڈسرب نہ کیا جائے۔ اپنے

کرے کے سیٹ سے میں نے پلگ کھینچ کے الگ کیا اور سکون سے بند پلاٹ کے آئندہ کے بارے میں سوچنے لگا۔

ای جان سے بات کرنے کا اب درست موقع تھا، اس سے پہلے تک تو میں مسئلہ

کھڑا ہو، ان سے بات کر لئی چاہیے۔ یہ بات تک ضروری تھی۔ میں جانتا تھا لیکن میں

کروں گا کیسے، ہر نہ جانتا تھا، آخر کیسے.... کیسے میں امی سے کہتا۔ مجھے اس کی ضرورت

ہے۔ عاشر ملک کو کسی کی ضرورت ہے.... یہ کیسے ہوندا ہے۔

”تو پھر کیا کپوں۔۔۔“ میں سوچتا۔ ”یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ اس ملک کو، آپ کو قبضہ کو زینا

کی ضرورت ہے، میں یہ تھیک ہے، دل کی خواہش بھی ہوپری ہو جائے گی اور امی اور بھائی پر

احسان الگ کہ ان کی خاطر ایک عامہ لڑکی کو اپنا نے رکھ جو ہو گیا۔“

اس نکتے پر دل اور دماغ دونوں متفق ہو چکے۔ دل کی ہمہ ادھری اوری ہو رہی تھی

تھی، بغیر جھکے آسائی سے من پسند چیز حاصل ہا رہی تھی اور دماغ اسکے خود ہمہ تباہی ضریبی

پورے ہو جاتے، ایک اور احسان میرے کریڈٹ پر آ جاتا۔ میں نے امکلے روز کا لذت باہمی

پر دع کر دیا۔

امگلے روز ایک الگ تماشا میرا منتظر تھا۔ آفس جاتے ہوئے ذرا سیوںگ کے دوران مسلسل موبائل کی یہ اس پر لکھا نمبر مجھے ڈسرب کرتا رہا۔ میں جانتا ہوں کہ امگلے ایک دو روز تک ایسا ہی ہونے والا ہے۔ میرا انگور کرتے رہتا ہی اس سلسلے کا واحد حل تھا۔ آخر کوئی کب تک بند دروازوں سے سر پھوڑ سکتا ہے۔ بند دروازے کے اس طرف میں بڑے سکون سے بیٹھا یہ سوچتا رہا، یہ خیال تک نہ آیا، کہ دروازے توڑے بھی جا سکتے ہیں۔ اور دروازہ ٹوٹ ہی گیا۔

میں زینا سے ہاشمی گروپ کا پرائیویٹ ڈسکس کر رہا تھا۔ جس کی پرینیشن کے لیے ہم دونوں کو ہی گل جانا تھا کہ میری سکریٹری نیلم نے انٹر کام پر مجھے اس کے آنے کی اطلاع دی۔ ایک ٹائی کو تو میں پٹپٹا کے رو گیا۔ مجھے موقع نہیں تھی کہ اس کی بہت اتنی بڑھ جائے گی۔ میں نے اسے الحال پر منظر میں رہنے کا ثابت سے حکم دیا تھا۔ خیر اگر اسے اس معاملے کو اتنی جلدی نہ مٹانا ہے تو ٹھیک ہے، مجھے بھی دینیشن مول یعنی کاشوق نہیں۔ اچھا ہے جتنی جلدی یہ قصہ تمام ہو۔ لیکن اس طرح.... زینا کے سامنے سب کے سامنے اس بات کا کھلنا یہ رے لیے سو مند نہیں تھا۔

”.....“ ہمہ دو، میں مینٹگ میں ہوں اور یہ بھی کہ یہ میرا آفس ہے، یہاں میں پرنس میز زیور اتار کے لامپوں نہیں کر سکتا۔“

میں کئے بخوبی تھے بلکہ زینا ابھیں بھرے تاثرات اس کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی اس نے انٹر کام پر نیلم کے ذریعے سن لیا تقریباً مجھے لے لئے کون آیا ہے۔ اور میں کس سے لئے نے کتر اڑ رہا ہوں، اس نے خاموش سوال کا جواب میں دنے والی مثالی سے دینا چاہا۔

پاٹل سے، وہی فضول کے رو نے ٹھیک غصے میں اتنا بڑا اور سکین فیملہ کر لیا، اب

کچھ کے لیے تینی بھروسے۔“

اور دروازہ کی دھماکہ سے کھل گیا۔ شرمنی بچ بچ تر تھی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

اس کے پیچے اسے روکنے کی کوشش کرتی ہوئی نیلم تھی میں ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ زینا بھی پیچے مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ وزینا بڑا کیجئے کے وہیں رک گئی۔ اس کی حالت عجیب

ہو رہی تھی۔ پر شکن بے تسلی ملکہ خدا: صرف بائیں اسے اور وحشت زدہ کر رہے تھے۔

لہنگوں میں میا تھا اپنی ہر جیسی لہنگ فٹک تھے، چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ چنان بار میں

میں نے ذرے ذرے انداز سے زینا کو دیکھا۔ شرمن کے تیور میرا بنا بنا یا کھیل

بر بادر سکتے تھے۔

”تو..... یہاں بھی موجود ہے، تب ہی.... تب ہی تم مجھے سے لئے سے کتر اڑے ہو.....“ وہ باری باری ہم دونوں کو دیکھ کے کہنے لگی۔ میں نے اسے مزید کچھ کہنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

”یہ آفس ہے شرمن! یہاں زینا نہیں ہو گی تو کیا تم ہو گی۔ اور میں تم سے اس لیے.... میرا مطلب ہے فی الحال اس لیے نہیں ملنا جانتا تھا کہ میں ایک ضروری مینٹگ کر رہا تھا، پرنس باشیں کہنی اور بھی، کسی اور بھی وقت ہو سکتی ہیں۔“

”ہمکن کا مطلب جانتے ہو تم۔ یعنی کہ اب یہ ہونیں سکتا۔ کبھی ہو، ہی نہیں سکتا ایسا
کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔“

تجھے تجھے قدموں سے چیچے بھتی وہ دیوار سے جا گئی۔ اس کی ٹھکانی دیکھ کے میری
شرمندگی زائل ہوئی اور میرے اندر کا کمینہ انسان پوری طرح طاقتور ہو کے اس کو اور
شربیں لگانے لگا۔

”میں سب کچھ کر سکتا ہوں شرمن قاسم علی! جب تک تم شرمن باقر ملک تھیں، سب
کچھ کرنے کا خیال، صرف خیال ہی رہتا تھا لیکن اب جب کہ تم اپنے نام کے آگے سے
میرے بھائی کا حوالہ کھو چکی ہو، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ میں اس نام کو اخمورا کرنے میں
کامیاب ہو چکا ہوں اب میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ سب کچھ.... میں تمہیں اکیا بھی
کر سکتا ہوں، اور وہ میں نے کیا۔ میں دھوکا بھی ہوئے سکتا ہوں اور وہ میں نے دیا
ہے۔ میں جھوٹتھی یوں سکتا ہوں امروز میں اپنے دربغ بولنے ہیں۔ میں تمہیں فریب
بھی ہے سکتا ہوں اور جو ہم اپنے دیا ہے، میں تمہیں بے توہف بھی ہو سکتا ہوں
اور شرمن۔۔۔ وہم بن چکا ہوئے۔۔۔ میں مزے لے کر کہنے لگا وہ کرب سے مجھے دیکھنے لگی۔

”تم اب مجھے کہہ رہے ہو۔ میں نے تو کتنا سبب پنہاندھ کے رکھا تھا۔ تم نہیں
مجھے بے قابو کیا اور اب جب میں خود کو بھی سنبھالنے کا ہے تو تم مجھے دیکھنے دیکھنے
میں ایک شادی شدہ بیکی مانیں، ایک بے ذول بی جحدی عورت کے چیچے پاکیں ہو کے
میں ہوں لیکن تم بڑی طرح اگنور کر رہے ہو۔“
سارے خاندان سے، ششی پولیاں ہوں۔ تم میں سے ہی کیا، جس کے زعم میں تم میرے ان
جیسے دعویں پانچھاں تھیں، تم لئے ایک بار بھی سوچنے کی رحمت نہیں کی کہ تمہارے
لئے ایک بھاجات نے جو ہمارا شہر تھا۔ لمحے انسان کو متاثر کرے۔ تمہارا حسن و خندلا چکا
اندر کی رہائشیں تھیں، اور نبھواری بروندی جا پہنچ لے کر تم ایک بڑی ہوئی تھوکی ہوئی عورت ہو۔
کہتے۔ تم اب مجھے کیوں دنیا سے ڈرارے ہو، تب تو تم نے ہی میرے سارے درمیں
فتح کرنے چلی تھیں۔“

”میں تو سارے تمہارا ذال کے آئی تھی۔ میں تمہیں فتح کرنے آئی تھی، میں
اپنا کے رہو گے۔ تمہاری یقین دہانی یہ میں نے باقر سے.....“

تو اپنا آپ تمہیں دینے آئی تھی۔۔۔“
”اور میں کیا کر دیا گا تمہارا۔“ میں نے حقارت سے کہا۔ ”مجھے اپنے گھر سے تمہیں
دور کرنا تھا اور بس، تمہیں پاہے تاکہ مجھے برچیز ”بہترین۔“ چاہیے۔ مجھے سے برداشت نہ
خیر آسان تو پہلے بھی نہیں تھا۔ صاف بات کہوں تو اب یہ صرف مشکل بلکہ ناممکن۔۔۔“ وہ
بے تینی سے مجھے دیکھنے لگی۔

بنظاہر تمہنڈے لجھ میں لیکن شعلے بر ساتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے میں نے
آخر الفاظ پر زور دے کر اسے کچھ بادر کرایا۔
”اوکے عاشر! میرا خیال ہے آج کی میلنگ کا نام تو ختم ہو گیا ہے، مکمل میلنگ میں
ملاقات ہو گی ہاشمی چیمبرز میں۔“

زینیا اپنا بیک اور فائزہ اٹھاتی باہر نکل گئی۔ میرے سر سے ایک خطرہ تو تلا۔ اب میں
با آسانی شرمن سے نمٹ سکتا تھا۔ آگے بڑھ کے اس کے بازو کو اپنی آہنی گرفت سے
دبو پتھے ہوئے میں نے خونخوار لجھ میں کبا۔

”تم سے کہا تھا کہ چپ چاپ بٹھی رہنا، ذرا حالات قابو میں آ جائیں تو میکا خونخوار تھا۔“

”تمہیں حالات کی فکر ہے، میرا دل قابو میں نہیں آ رہتا۔“ اس لئے ہدوں
با تھوں سے میرا گریبان تھام لیا اور بیک اٹھی۔
”اپنے دل اور جذبات پر قابو پا۔۔۔ میکھوڑنیلے نے مجھے سے اپنی شرکت اس کے
با تھوں سے چھڑا۔

”یہم اب مجھے کہہ رہے ہو۔ میں نے تو کتنا سبب پنہاندھ کے رکھا تھا۔ تم نہیں
مجھے بے قابو کیا اور اب جب میں خود کو بھی سنبھالنے کا ہے تو تم مجھے دیکھنے دیکھنے
مشورہ دے رہے ہو۔ مجھے سے کترارہے ہو۔ دو دلخیلے سے میں تم سے رابطہ کرنے کی کوشش
میں ہوں لیکن تم بڑی طرح اگنور کر رہے ہو۔“

”تم کیوں نہیں بھتھیں ابھی ہمارا لئنا مناسب تھا۔۔۔“ اگر کسی کو شکت ہو گیا
تو.....“

”ہوتا رہے شک، اب چھپا کے کیا کرنا ہے۔“ تم سرین دنیا سے کچھ تھیک تو نہیں رہے
سکتے۔ تم اب مجھے کیوں دنیا سے ڈرارے ہو، تب تو تم نے ہی میرے سارے درمیں
فتح کیا تھا کہ کے تمہیں کسی کی پرواہیں، کوئی کچھ بھی کہتا رہے، تم مجھے
اپنا کے رہو گے۔ تمہاری یقین دہانی یہ میں نے باقر سے.....“

”پہلے کی بات اور تھی۔۔۔ مجھے بھی یہ سارا کھیل بہت آسان لگا۔۔۔ لیکن تم نے جارحان
ظریف اپنا کے سارا کھیل بیاڑ دیا۔ اب بہت چیزیں پیدا ہو گئی ہے۔ تم نے باقر بھائی سے
اور اُجی جان سے جس طرح کارو بیا پناہیا۔ اب میرے لیے تمہیں اپنا نا اور مشکل ہو گیا ہے۔
خیر آسان تو پہلے بھی نہیں تھا۔ صاف بات کہوں تو اب یہ صرف مشکل بلکہ ناممکن۔۔۔“ وہ
بے تینی سے مجھے دیکھنے لگی۔

میرے فہد کی ماں کہلاتے۔

نہیں لکھتے۔ اُنہیں کتبخانے کے اکھارا ناپڑتا ہے اور میں نے شرمن کو اکھارا پھینکا تھا۔

ہلہلہ ہلہلہ

اس دن ای جان نے اسکی بات کی کہ میں نے بے ساختہ خود کو اپنی بروقت پلانگ پہنچر کے داد پیش کی۔ سب کچھ میرے حسب فٹا ہو رہا تھا۔ جیسا میں چاہتا تھا۔ ”شرمن کے جانے سے مگر تو کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ اس نے خود کو گھر کا حصہ بنایا بھی کہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس کا اس طرح ہم سب سے کث جاتا سانچھتی تو ہے۔ باقاعدہ میرے مشورے کو۔“ اُدھورا، لنا پاناسا مگر بھی سے دیکھا نہیں جاتا۔“

ایک اشارے پر ڈھل نہ جاتی تو میں کیسے کامیاب ہو پاتا، اپنے منصوبے کو پکھلائیں پہنچانے میں۔

”بہت بڑے کھلاڑی ہوتا تم...“ میں نے اچانک اپنے آنسو پوچھے

”لماہرے پر اپنے بھائی جان کی دوسری شادی کرو یہی۔ اُنہیں اس طرح اکیا تو نہیں رکھنا رکھتی ہوں۔“

میں خاموش رہا۔ فن الماح بھی صرف اُنہیں سننا چاہتا تھا۔ کچھ دیر میرے عمل کو بنانے کی کوشش ضرور کرنا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ دل کو زیادہ نہیں تو کچھ تو بہتر خانی کو تسلیم کرہی نہیں سکتے۔ تو اسے سدھارنا تو بہت دردی بات ہے۔ تم خود و مرد ہے۔

لیکن عاشراب میں تہواری شادی کا سوچوں تو ذہن میں بس ایک ہی ہم آتا ہے، اعانت ہے تہواری مرد انگلی پر۔ اس نے زمین پر تھوکا۔

”میرا خیال یہاں پہنچ رہا تھا تو قبیلے لگا رہا تھا۔“

”دھکے مار مار کے ساری دنیا کے سامنے تماشا ہڑوں لے۔“

”تماشا تواب میں بناؤں گی، اور یاد رہے میں تہواری طرح بزدل نہیں۔“ میں تمہیں دارنگ دے رہی ہوں، خود کو بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ ورنہ تہواری زندگی میں کچھ بھی بہترین نہیں رہے گا۔ نہ تم.... نہ تہواری زندگی.... دباؤں بد سے بدرہ ہوتی جائیں گی۔“ دھمکی دیتی چانگی۔

”شرمن تم سے محبت کرتی ہے؟“

اور اب مجھے حرمان کر دینے کے بعد مجھے سے پوچھ رہی تھی کہ ”میرا کیا خیال ہے۔“

”میرا خیال..... میرے خیال میں تو تہوار اور ماں خراب ہے۔“ میں نے ایسا سوچا ہی کیسے تم سے مجھے اس جماعت کی توقع نہیں تھی زینا۔.... !

”آج تم نے واقعی تھے بہت مایوس کیا ہے۔“

”تم نے پلانگ سے فہد کو بھی مجھے دوکر دیا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس سے جدائی اپنے مقدار میں لکھا لی۔“ وہ سک پڑی۔

”تو تم ایسا نہ کر تیں۔“ میں نے شانے اپکانے۔ ”میں نے کچھ بھی تم سے زبردست نہیں کر دایا تھی کہ میں نے تو اسرا رتک نہیں کیا۔ صرف چند راستے بتائے تھے۔ جن پر چلنا یا نہ چلنا تمہاری اپنی مرضی پر مخصر تھا۔ اتنی ہی متا کی ماری ہوتیں تو تھکرا دیتیں میرے مشورے کو۔“

میں نے اسے آئینہ دکھایا جوچ تھا۔ واقعی اگر وہ خود کچھ مٹی کی طرح میرے اشارے پر ڈھل نہ جاتی تو میں کیسے کامیاب ہو پاتا، اپنے منصوبے کو پکھلائیں پہنچانے میں۔

”بہت بڑے کھلاڑی ہوتا تم...“ میں نے اچانک اپنے آنسو پوچھے

”بہت اونچا گیم کھیلا ہے تم نے آور میں بھی لختی ہوں کہ تم نے یہ سب کیوں کیا

بھائی کو کوشش ضرور کرنا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ دل کو زیادہ نہیں تو کچھ تو بہتر خانی کو تسلیم کرہی نہیں سکتے۔ تو اسے سدھارنا تو بہت دردی بات ہے۔ تم خود و مرد ہے۔

”میں نے زمین پر تھوکا۔“ میں نے اچانک اپنے آنسو پوچھے

”ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں تہوار کے پاٹیں ہیں کافی ہیں لکڑوں میں سلگ اٹھیں۔“

”ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں تہوار کے پاٹیں ہیں کافی ہیں لکڑوں میں سلگ اٹھیں۔“

”تماشا تواب میں بناؤں گی، اور یاد رہے میں تہواری طرح بزدل نہیں۔“ میں تمہیں دارنگ دے رہی ہوں، خود کو بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ ورنہ تہواری زندگی میں کچھ بھی بہترین نہیں رہے گا۔ نہ تم.... نہ تہواری زندگی.... دباؤں بد سے بدرہ ہوتی جائیں گی۔“ دھمکی دیتی چانگی۔

میں جانتا تھا وہ دھنی طور پر مفلوج عورت میرا کیا مجاز سکتی ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے تو کچھ کرنہ سکتی۔ میرا کیا نتھیں گرے گی۔ بلکہ میں اب پر سکون تھا، بچھلے دور دز سے اس کی فون کا لازم جو ڈسٹرنس پسیلار کھی تھی، اس کا خاتمه ہو گیا تھا۔ کچھ کا نئے آسانی سے تو

بھی اپنے شوہر سے یہ مطالبہ نہیں کیا تو اس کا مطلب ہے اس گھر میں کچھ توے جس کی اشارے ٹل رہے ہوں۔ وہ بات بے بات شرمن کا مجھ سے الجھنا، وہ جنجنہلانا میری بے نیاز یوں پہنچنا، ریشم کے بارے میں تلمذا کے ریمارکس دینا اور پھر اب عرصے بعد زینا نے اس کو اور بھڑکا دیا تھا۔ میرا اس کی جانب جھکاؤ شاید وہ بجانب گنی تھی اور امی جان کے ارادے کی سن گن بھی مل گئی ہواں لیے اس کی آمد اسے مشتعل کر دیتی تھی تو کیا واقعی.....

تیری بات اس پاٹکتہ رویہ اور دل جلا انداز یہ بھی ظاہر کرتا تھا کہ اس کی یہ وابستگی یک طرف تھی۔ وہ ہمیشہ جلسی ہوئی، سلطانی ہوئی نظر آتی تھی۔ "خصوصاً" تمہیں سامنے پا کے وہ اور بھی سلگ آئتی تھی۔

چوتھی بات.... فبد کا میری طرف جھکاؤ، وہ برداشت نہیں کر سکی۔ لیکن یہی رویہ اس کو فت ہوئی۔ میں اس کے لیے مغدر....."

"معذر ت بعد میں پہلے یہ بتاؤ یہ تمہیں سوچی کیسے؟" میں نے اپنے لیے
گنواں مل جائی تھیں یاد سے نا اس نے کہا تھا کہ... یہ خاشر تم مجھے بھی خوش نہیں رہنے دو پوچھا۔ اصل میں خود یہ یقین چاہتا تھا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔
حکم سر تھاڑتے ہوئے تھیں میں خوش رہیں نہیں سکتی۔ اس وقت اس کے انداز میں غصہ تھا، نہ طیش صرف بے بی تھی۔ بھڑکی اور ایسا لارکی ایسا دلکش جنگ کی ہارنے تھی۔ مجھے لگا جیسے وہ بھائی جان کے اور اس کے تعلقات ہمیشہ اسے خراب ہونا ہے۔ لیکن اس طرف تیرا
خود سے لڑ رہی ہے اور جان بوجھ کے ہار مان رہی ہے۔" وہ چپ ہو گئی۔ تو میں نے خبرے ہوئے لجھے میں پوچھا۔

"جتنا کوئی پانچ سال پہلے بھی ہے۔" اگر کسی کی یاد بھلانے میں کوئی عورت ناکام بھی رہے تو سوچنا کیا تھا۔ اپنے پیٹ
لارکنے کی فیل سر ملائی تھیں نے سرفائل پہ جھکا لیا اور بڑے انہاک سے اسے دیکھنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ اٹھ گئی اور میں نے بھی فائل سے سراخالیا۔ اب میں اپنے یہیں میں اپنے شاطرہ ماغ کے ہاتھوں تھا۔ اس کے وہ چار نکتے میرے ذہن کوئی راہیں دست میں۔ مجھ پرے چھڑکاڑ منکشف ہوانے لگے۔

سروں اسی سے سلوک واقعی نہیں تھا، لیکن اس کی ایک وجہ تھی اپنی نین اتنی میں میں نے بے تابی سے پوچھا، لیکن اس کی حیرانی شکل ذاتی کے بات بنائی۔

"آخر مجھے بھی تو پاچے تم میں ماہر نفیات بننے کی تھی صلاحیت موجود ہے؟" اصل میں خود کو یقین دلانا چاہ رہا تھا مکہ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے، میں وہ سب جانا

چاہتا تھا جنہیں اب زینا، وہم قرار دے کر شرمندہ ہو رہی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ بے مقنی سے وہم.... ان سے میں کچھ معنی ڈھونڈہ ہی نکالوں۔

"تمہارا اپنی بھائی سے سلوک واقعی کچھ نجیب سا اور ابنا مل ہے۔ اس کے بعد تو کسی عورت کو کم از کم میرے خیال میں اس گھر میں رہنا نہیں چاہیے تھا۔ فوراً" اپنے شوہر کو لے کے الگ ہو جانی، لیکن اگر ہزار تن یوں کے بعد بھی اس نے اتنے سالوں میں ایک بار

میں اس پہ اپنی بڑی ظاہر کر رہا تھا لیکن میرے اندر کچھ جل بکھر رہا تھا جیسے کوئی اشارے ٹل رہے ہوں۔ وہ بات بے بات شرمن کا مجھ سے الجھنا، وہ جنجنہلانا میری بے نیاز یوں پہنچنا، ریشم کے بارے میں تلمذا کے ریمارکس دینا اور پھر اب عرصے بعد زینا نے اس کو اور بھڑکا دیا تھا۔ میرا اس کی جانب جھکاؤ شاید وہ بجانب گنی تھی اور امی جان کے ارادے کی سن گن بھی مل گئی ہواں لیے اس کی آمد اسے مشتعل کر دیتی تھی تو کیا واقعی.....

"سوری عاشر! شاید میں نے واقعی بغیر سوچے سمجھے کچھ بول دیا، تمہیں جو ہنسی کوئی میں اس کے لیے مغدر....."

"پہنچنے کیوں بس مجھے ایسا کا حالانکہ تم نے پہلے بھی کیا ہے تھا کہ تمہارے دھیان میں گیا کہ بوسکتا ہے شادی سے پہلے اس کی جذباتی وابستگی کی اور کے ساتھ رہی ہو، لیکن عاشر بالفرض ایسا ہو بھی تو پانچ چھ سال بہت ہوئے ہیں دل کو سمجھانے کے لیے اگر کسی کی یاد بھلانے میں کوئی عورت ناکام بھی رہے تو سوچنا کیا تھا۔ اپنے پیٹ

کیا اندازے لگائے۔" میں بھی سوچنا چاہیے تھا کہ تمہارا اس سے رشتہ کیا ہے، تم اس سے لا کہ متفرگی مگر بہر حال اس رشتے کی اپنی ایک نزاکت ہے، اپنے تھا سے ہمیشہ جو کوفت.....

"تم میری کو فت اور جذبات کو مار دگو۔ میں صرف یہ جانا چاہتا ہوں کہ آختم نے دست میں۔" اصل میں خود کو یقین دلانا چاہ رہا تھا مکہ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے، میں وہ سب جانا

"تمہارا اپنی بھائی سے سلوک واقعی کچھ نجیب سا اور ابنا مل ہے۔ اس کے بعد تو کسی عورت کو کم از کم میرے خیال میں اس گھر میں رہنا نہیں چاہیے تھا۔ فوراً" اپنے شوہر کو لے کے الگ ہو جانی، لیکن اگر ہزار تن یوں کے بعد بھی اس نے اتنے سالوں میں ایک بار

سے قبول نہیں کر پائی۔

دوسری بات.....

دیکھا جائے تو بھائی جان میں کیا کمی تھی، وہ خاصے کامیاب بزنس میں تھے۔

فطرتاً "شریف اور بختے نامی انسان تھے۔ شروع کے سالوں میں انہوں نے بیوی کو نوت

کے چاہبھی تھا۔ ایک خوبصورت سا بچہ بھی اس تعلق کا تھا، لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ اپنے دل میں شوہر کے لیے جگہ نہیں پیدا کر سکی۔ اگر مالی آسودگی، وفا دار شوہر، محنت مند بچہ، بھی اسے اس زندگی کی جانب راغب نہیں کر سکا تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ اس کے دل کی کمک اسے زندگی کی طرف لوٹنے نہ دیتی تھی۔ اور یہ کمک دینے والا اس سے بھی دور نہ ہوا تھا۔ ورنہ شاید وہ اسے بھجوں جاتی۔ اور اس کے پاس ہونے نے اسے سمجھوتوں کے قریب نہ ہونے دیا۔

تیسرا بات

چونکہ میرا دل اس کے رشتے کو بھی تسلیم نہیں کر پایا تھا، اس لیے یہ رسم سے تعلقات ہمیشہ کشیدہ ہی رہے۔ جب ریشم کے معاملے میں اس نے اپنی جان سے چند طنزیہ با تمن کیے تو شاید وہ بھی اس کے جذبات کی ترجیح میں لکھ سے راشتہ نہ ہوا کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے، اسی گھر میں میری مکان پسندی کا لوتا دیتے تھے۔ اس کے لئے اس کو تباہی کی وجہ سے اسے لکھ دیج کرنے پر مجبور کر گیا تھا کہ میں پڑھاں میں اس سے لاکھ درجے بہتر شریک حیات پسند کر کے رہوں گا۔ میرا اس کے لئے تباہی کھانا اظہار ناپسندیدگی اسے واقعی ساختہ جاتا ہوا اسی لیے زینیاً کوہ سلطنتی ہوئی جھلکتی تھی۔ اسی کی وجہ سے اس کے پاس امید کی کوئی کرن نہیں رہتی۔ اسی لمحے وہ بے بھی کی انتباہ پر تھی۔ وہ ہماری بھی۔ اپنے ہی جذبات کے ہاتھوں نکلت کھائی تھی اس نے، اسی لیے اس کا چوتھی بات.....

بس طرح میں نے سب کے سامنے اس کی خامیاں اور زینیاں کی خوبیاں پہنچائیں۔ اسے لگا۔ اس کے پاس امید کی کوئی کرن نہیں رہتی۔ اسی لمحے وہ بے بھی کی انتباہ پر اندھریاں ہو گیا۔ وہ ایک لرش زینیاً کی پکڑ میں آگئی۔

میں نے اس کی پکڑ کو بے ساختہ کر دی۔ رہا میرا دل تو وہ زینیا کی توجہ اس طرف کے لیے غروری تھا۔ میں اس میں کامیاب رہا تھا وہ اپنی انجامے میں کمی بات پر مغدرت طلب کرتی، واپس چلی گئی لیکن میرے لیے ایک دلچسپ کھیل کا آغاز کر گئی۔ زینیا نے ہی میرے اندر کے عاشر ملک کو تھیک تھیک کے سلا یا تھا۔ جائے جانے کا خواہاں عاشر اب چاہئے کا الطف ہی لینے لگا تھا۔ میری خود پسندی اب پچھے چکے گئی اور کوئی جس اپنے گذشتے ہے اس کے لیے ایک بھائی جان میں کیا کمی تھی، وہ خاصے کامیاب بزنس میں تھے۔

اور وہی زینیا نہ راس دن پھر سے اس عاشر ملک کو چھوڑ کے جگائی۔ وہ عاشر، جس کے لیے چاہے جانا ایک نشستا، جسے دوسروں کو روشن نہ میں مزا آتا تھا۔ جسے خود پر حاوی ہوتے بر انسان کو پکل دینے کی خواہش تھی۔

اس عاشر ملک نے ایک عجیب سی چال سوچی۔ اور اس پر عمل کرنے میں ایک دن کی دریبھی نہ رکھی۔ میری چہلاؤن کا لپٹ پر شرمنی بھوے بات کرنے پر رضا مند ہی نہ ہوئی مگر دوسری ہی کال میں جب میں نے اس سے یہ کہا کہ میں اس سے اس کے شوہر کے بھائی مند بچہ، بھی اسے اس زندگی کی طرف لوٹنے نہ دیتی تھی۔ اور یہ کمک دینے والا اس سے بھی دور نہ ہوا تھا۔ ورنہ شاید وہ اسے بھجوں جاتی۔ اور اس کے پاس ہونے نے اسے سمجھوتوں کے قریب نہ ہونے دیا۔

تیسرا بات

"تم میری وجہ سے اپنی زندگی مت بردا کرو اپنے گھروٹ آؤ، تمہارے بیچ تعلقات ہمیشہ کشیدہ ہی رہے۔ جب ریشم کے معاملے میں اس نے اپنی جان سے چند طنزیہ با تمن کیے تو شاید وہ بھی اس کے جذبات کی ترجیح میں لکھ سے راشتہ نہ ہوا کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے، اسی گھر میں میری مکان پسندی کا لوتا دیتے تھے۔ اس کے لئے اس کو تباہی کھانا اظہار ناپسندیدگی اسے چلائیج کرنے پر مجبور کر گیا تھا کہ میں پڑھاں میں اس سے لاکھ درجے تمہاری وجہ سے۔" "تمہاری وجہ سے... باں تمہاری وجہ سے... وہ بڑا بڑا۔" "صرف اک تمہاری وجہ سے۔"

"در اصل ہم بڑھ میں تمہیں کیا کہوں۔ اصل میں شرمنی بھے تم سے کوئی فہرست نہیں، لیکن یہ بھی فہرست کی بات ہی اور میں تمہیں الزام دیتا رہا اپنے ساتھ ساتھ تمہیں بھی چھوٹی بھی تباہ کرنے کے لئے بھائی جان میں اس طرح میں نے سب کے سامنے اس کی خامیاں اور زینیا کی خوبیاں پہنچائیں۔ اسے لگا۔ اس کے پاس امید کی کوئی کرن نہیں رہتی۔ اسی لمحے وہ بے بھی کی انتباہ پر تھی۔ وہ ہماری بھی۔ اپنے ہی جذبات کے ہاتھوں نکلت کھائی تھی اس نے، اسی لیے اس کا

"تم کہنا کیا چاہتے ہو عاشر؟" اس کے لمحے میں اب واضح ارتعاش تھا، ایک بیجان تھا

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم میری سب بد تمیزیاں، گستاخیاں بھلاکے سے ہٹانے کے لیے غروری تھا۔ میں اس میں کامیاب رہا تھا وہ اپنی انجامے میں کمی بات پر مغدرت طلب کرتی، واپس چلی گئی لیکن میرے لیے ایک دلچسپ کھیل کا آغاز کر گئی۔ زینیا نے ہی میرے اندر کے عاشر ملک کو تھیک تھیک کے سلا یا تھا۔ جائے جانے کا خواہاں عاشر اب چاہئے کا الطف ہی لینے لگا تھا۔ میری خود پسندی اب پچھے چکے گئی اور کوئی

سانتے آنے پر جو میں غمے سے بچت پڑتا ہوں، تو یہ غصہ تم پر نہیں، خود پر ہوتا ہے کہ میں نے تاخیر کیوں کی۔ میں تمہیں ہمیشہ اس گھر میں دیکھنا چاہتا تھا، مگر اس حیثیت سے نہیں جس حیثیت سے تم آج یہاں ہو بلکہ..... شرمن یہ فرفت نہیں بلکہ محبت ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ میری یہ محبت تمہارے لیے سزا بن گئی ہے۔

یہ سراسر جھوٹا اظہار محبت کرتے ہوئے نہ میری زبان لڑکھڑائی، نہ دل کانپا، نہ ہی میری گھمنڈی فطرت کو کوئی گزند پہنچا۔ کتنی حرمت کی بات تھی کہ حق بولنے کا صرف سوچتا ہی تھا اور میرے خود ساختہ بت میں درازیں پڑنے لگتی تھیں۔ اس وقت اگر میں اس کے سامنے سر جنگل کئے یہ کچھ ریشم کے جال بن رہا تھا تو صرف اس لیے کہ بعد میں اسی ریشم سے مجھے اس کی گردان گھوٹنی تھی۔

"میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، بہت وہر۔" بس حتماً اتنا تھی ایک ٹھیک ضبط کی!... وہ "نہیں.... نہیں.... عاشر! ایسا مت کرو گا، بس حتماً اتنا تھی ایک ٹھیک ضبط کی!... وہ بچوں کے والی بھی۔" بچوں کے والی بھی۔ میں وہ کہہ رہا تھا جس کا اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ میں وہ کہہ رہا تھا جو وہ مجھی کہنے کی ہمت تک نہ کر سکی۔

"نہیں عاشر! خدا کے لیے کہیں مت جانا، میری نظر میں سے دُورست ہونا۔ تم نہیں تھا اور اتنے سال میں نے صرف تمہاری وجہ بے دہاں گزار لے۔" میں تمہاری وجہ سے دہاں سے واپس نہیں آئی۔ بھتی جاتی تھی اسی وجہ سے دہاں گزار لے جانتے۔ میں تمہاری وجہ سے دہاں سے واپس نہیں آئی۔

میں خود سے بھی چمپ چمپا کے تمہیں چاہتی رہی، لیکن میر اشیر مجھے چین نہ لینے دیتا تھا۔ میں تھک آگئی تھی اس لعنتِ ملامت سے۔ اس لیے وہ گھر پیغماز دیا۔ یہ تو میں نے سوچا تک نہ تھا کہ تم بھی مجھے چاہتے ہو گے۔"

اس کے اندر سالوں سے پکتا لادا اُبل اُبل کے پاپر لکھتا رہا، وہ خانی بھی یا جب مجھے اپنی مرضی سے اسے بھرنا تھا اور ہونے، لیکن آپ کی اسی بات سے میں بھی متفق ہوں کہ اس گھر کو زینا بھی زینیا سے بہتر کوئی اور نہیں۔ تھیک ہے امی جان، اس گھر کی بہتری کے لیے آپ نے جو سوچا ہے، اچھا ہے سوچا ہو گا۔"

"سمجا کرو شرمن! باقر بھائی جان کو بھی بھی تم سے دچپی نہیں رہی، لیکن فبد کی وجہ سے وہ طلاق دینے میں پس وپیش سے ضرور کام لیں گے۔ ابھی اوہا گرم ہے، لیکن وقت گزرتا گیا تو ان کا شنڈا پڑتا غصہ مصالحت کی راہ نکالنے کے لیے سوچنے لگے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ طلاق کا مطالبہ صرف تمہاری وجہ سے ہو۔ بلکہ اسے تم دونوں کی جذباتی اور وقتوں جلد بازی کا نتیجہ سمجھا جائے گا۔ بعد میں میں خاندان کی بھائی اور فبد کی بہتری کی خاطر تم سے

شادی کر لوں گا۔ تم فبد کی خاطر ایک دو بار خود کشی نگی ناکام تھی کوشش کرنا۔ امی موں بوجائیں گی۔ میں تم سے شادی کر کے فبد کو اور تمہیں لے کر باہر نہیں سیٹل ہو جاؤں گا۔ میں فبد کا چچا ہوں، بھائی جان اور امی جان اسے بخوبی میرے حوالے کر دیں گے۔"

اور اس نے میرے کہنے پر مل کیا۔ سب کچھ میری خواہش کے مطابق بوجکا تھا۔

شرمن اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو گئی تھی۔

زینیا کے دل سے میں نے یہ شک فور امی رفع دفع کر دیا تھا۔ نوں بھی اپنی تمام تر ذہانت اور معاملہ نہیں کے باوجود وہ بنیادی طور پر ایک سادہ مزاج لڑکی تھی۔ شاید اس کے

عورت، اچھی تھی دیور کے عشق میں... وہ کیا جانتی تھی کہ کہانیاں بچ سے بھی بھی جانتی ہیں۔ تو ایک اونچا حورت شرمن جیسی بھی ہوتی ابھی، رشتہوں میں ڈنڈی مارنے سے نہ

مجھت پڑی۔ میں وہ کہہ رہا تھا جس کا اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ میں وہ کہہ رہا تھا جو وہ

زینیا کو دل میں جگہ دے دی تھی۔ مجھے لب لکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔ اور وہ مجھے

زینیا... اس کے سواب کچھ بھتی جاتا ہی نہیں۔" میں سن کے مسکرا دیا۔

"میری بات کا جواب یہ ہے زینیا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" تھا۔ میں تھک آگئی تھی اس لعنتِ ملامت سے۔ اس لیے وہ گھر پیغماز دیا۔ یہ تو میں نے سوچا

میری تھک کیا را بھٹکھٹکھوں ہے۔" میں نے شانے اچکائے۔" حالات اور ہوتے تو اپنی مرضی سے اسے بھرنا تھا اور ہونے، لیکن آپ کی اسی بات سے میں بھی متفق ہوں کہ اس گھر کو زینا بھی زینیا سے بہتر کوئی اور نہیں۔ تھیک ہے امی جان، اس گھر کی بہتری کے لیے آپ نے جو سوچا ہے، اچھا ہے سوچا ہو گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی، ہر اور فبد کے علاوہ زینیا تمہارے لیے بھی تو مناسب ہے، تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے....."

"ایک بھائی بات ہے امی جان! میں کیا اس گھر سے الگ ہوں۔" نہ جانے کون سی بات تھی جو مجھے ماں تک کے آگے کھلنے نہ دیتی تھی۔

کاش.... کاش.... میں تب اپنی ماں کی گود میں سر رکھ کے کہہ دیتا۔

بوجگیں۔ لیکن رسمی طور پر زینیا سے بات کرنے کا وقت مانگا۔“
میں نے سکون بھری سافٹس لی۔ ای جان تو مجھے ڈرائے دے رہی تھیں۔ لیکن شکر
کے کوہ بات کرہی بیٹھیں۔ ورنہ انہیں دوبارہ سمجھنے کے لیے رضا مند کرنے میں مجھے اپنے
خول سے باہر آنا پڑتا۔ رہا زینیا سے پوچھنے کا مرحلہ، تو اس کے با آسانی غشنے کی مجھے سے
بھی سیر کر رہا تھا۔ کون کہتا ہے کہ دل اور دماغ دونوں کی ماننا نامن ہے۔ میرا دل چابتا
تھا..... زینیا کو خود سے وابستہ دیکھنا۔ میں نے پوری ہشیاری اور پانٹک سے اس کے
امکان پیدا کیے، میرا دماغ کہتا تھا، عاشر کسی کے سامنے کمزور مت پڑتا۔
محبت کو چونکہ میں کمزوری سمجھتا تھا، اس لیے بھی یہ اعتراف نہیں کیا کہ مجھے زینیا
سے محبت ہے۔ میں خود کو بھی بار بار یہ باور کرتا کہ بہت سی بہترین چیزوں میں ایک اور
بہترین کا اضافہ کرنے کے لیے مجھے اس کی ضرورت ہے۔ میں دل کی بھی مانتر رہا۔
دماغ کی بھی مختار ہا۔ پتہ میں نہیں چاکر قیمت نے کب وار کیا.....
جان کی بذریعہ مفتکوں میں دچپنی نہیں تھی لیکن وہ بولتی رہیں۔

”بات پڑھتا کہ نے تم بیکار ہے اپنے زینیا خود لاشاء اللہ سمجھ دار اور خود مختار کی ہے، وہ
پوچھنے اپنے اکی رسمیت پر ایک طریقہ ہوتی ہے۔ زینیا میں جیا بھی
ہو جاتی ہے۔ وہی بادشاہ، وہی وزیر... اور قیامت نے اپنے بھروسے دل کو رکھا۔ بھی جھلک لیے جب وہ اسی وقت، اپنی پھوپھی کے سامنے ہی
”شکر ہے، میرے خدا نے مجھے سی امتحان لیا۔ والا اور نہ ہیں۔“
شام کو زینیا کے گھر سے واپس آنے کے بعد امتحان نے میرے نزدیک بیٹھتے ہی کہا۔
میں خاموشی سے اخبار پڑھتا رہا، کسی بے تابی کا اظہار نہیں۔ میں خاموشی کے سامنے ہی کہا۔
”تم نے تو اس بے ولی سے زینیا کے یہ بائی ہیروئن پر جلوں پر جلوں پر حادثی
تمہاری سعادت مندی تھی کہ ماں کا دل رکھنے کیلئے کر بیٹھے، فبد کی محبت میں، اسے
ایک ماں دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن کچھ بات تو یہ کہتے کہ تمہارے روکے پہیکے انداز
اور ڈھیلی سی ہاں نے میرا دل بھاری کر دیا تھا۔“

”یا آپ کیا باتیں لے بیٹھیں۔“
”مجھے حقیقتاً ان کی تمہید خوفزدہ کرنے کی تھی۔“
”اوہ کیا بیٹا! تمہاری سن مانی کرنے کی عادت سے میں خود تلاں رہتی تھی، یعنی
ماں ہوں نا۔... دل چک گیا تمہیں چپ چاپ دوسروں کے لیے سن مانتا دیکھ کے۔“
”آپ کہتا کیا چاہتی ہیں؟۔ آپ نے اس سے بات کی یا نہیں۔“ میں نے ضبط
کے کام لیتے ہوئے ان سے اصل بات اٹکوانا چاہی۔

”یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ تم دل سے رانی ہوتے تو تمہارے لیے زینیا کی
چھوپھی سے بات کرتے ہوئے میں یوں نادم نہ ہوتی۔ دل پر بوجھ ساختا۔
خیر میں نے ان سے تمہارے لیے زینیا کا ہاتھ مانگا، وہ تو ظاہر ہے خوشی سے نبال
تھی۔ اللہ کا شکر ہے اس نے میری مشکل آسان کی۔“

”آپ کتنی اچھی ہیں ای، آپ نے کیسے میرے دل کی بات چراں۔ زینیا سے اچھی
ڑکی مجھے مل ہی نہیں سکتی۔ میں تو ہمیشہ سے بھی چاہتا تھا۔“
مگر میں نے یہ نہ کہا۔ میں تو اپنے ہی دل کی خوشی کا سامان تھی کہ رہا تھا اور دماغ کو
بھی سیر کر رہا تھا۔ کون کہتا ہے کہ دل اور دماغ دونوں کی ماننا نامن ہے۔ میرا دل چابتا
تھا..... زینیا کو خود سے وابستہ دیکھنا۔ میں نے پوری ہشیاری اور پانٹک سے اس کے
امکان پیدا کیے، میرا دماغ کہتا تھا، عاشر کسی کے سامنے کمزور مت پڑتا۔
محبت کو چونکہ میں کمزوری سمجھتا تھا، اس لیے بھی یہ اعتراف نہیں کیا کہ مجھے زینیا
سے محبت ہے۔ میں خود کو بھی بار بار یہ باور کرتا کہ بہت سی بہترین چیزوں میں ایک اور
بہترین کا اضافہ کرنے کے لیے مجھے اس کی ضرورت ہے۔ میں دل کی بھی مانتر رہا۔
دماغ کی بھی مختار ہا۔ پتہ میں نہیں چاکر قیمت نے کب وار کیا.....
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“

”تمہاری چیز بھی تو ہوتی ہے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“

”اس رشتے پر بات کرنے کی آئی تو میں ذرا حیران نہ ہوئی نہ کوئی غلط گمان کیا۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“

”اس رشتے کا نفعیں سخن سخن چاہتا تھا۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“

”اس رجھہ راجھوں کوڑی ہی ملے۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“
”لے جو دل اور دماغ وہیں کھلے جائیں۔“

”امی کا یہ کہنا مجھے دھڑا دھڑ نیچے گرا گا چاگیا۔ میں نے شدت سے اپنے اس بھائی
سے نفرت محسوس کی، جس نے اس کھیل میں حصہ لیے بغیر دوسروں بار مجھے ہردا یا تھا۔
”چھوپھی سے بات کرتے ہوئے میں یوں نادم نہ ہوتی۔ دل پر بوجھ ساختا۔
خیر میں نے ان سے تمہارے لیے زینیا کا ہاتھ مانگا، وہ تو ظاہر ہے خوشی سے نبال

"بھائی جان گھر پہنچئے۔ میں کچھ سوچ کے آگے بڑھا۔ گارڈ سے اپنا تعارف کرنے کے بعد اس سے ڈریڈ سور و پیڈ طلب کیا۔

"ام کو کیا کھسپ، تم کون اے۔ کھانا وہ تم کو ڈریڈ سور و پیڈ دے دیں۔ ام کو پاگل والی سمجھا ہے۔" اس نے پہچانے سے صاف انکار کر دیا۔

گیٹ کپر نے میرے کینے پر اندر کام پر اندر سے کسی کو بلا یا ایک آیا تاپ عورت باہر نکلی، وہ بھی میرے لیے تا آشنا ہی۔

"باجی! یہ صاحب کھوہ کو بڑے صاب کا بھائی تھا تی ہے۔"

"باں، باں میں نے ان کی تصویر اندر لکی دیکھی ہے۔ فہد کے کمرے میں بھی اور بجھے ہال کرے میں بھی آئیں صاحب! اندر آئیں۔"

بجھے ہیچ جان کر خوشی جوپیں کہا۔ تک میرا چہرہ، میرا وجود اس گھر کے مکنوں کے لیے دل میں کیا تھا۔ مجھے تمہاری قسم پر افسوس ہو رہا ہے زینا! تم نے بڑے گھانے کیا۔

اپنا کے آتی ملاز مہم خفتہ نکلی واٹے کو تراہیدے کر فارغ کیا اور مجھے اندر لے آئی۔

صاحب آپ کا لکھ جوہر میں صاف ہوتا ہے لیکن چاہیاں بڑے صاحب کے پاس پہنچنے والے میں کرایہ گئے ہیں، آج لوٹیں گے۔ فہد باسور ہے ہیں۔ آپ فی الحال گستاخ روم میں آ رہے ہیں۔ صاحب ناشتا، چائے۔"

دوں گا۔ میں نے تبیہ کر لیا تھا کل آفس میں اس پر بھر کیے مطابق ناوی گھانے پہنچنے والے سے کسی طور یہ ظاہر نہیں ہونے دوں گا کہ مجھے اس کے فیصلے سے کوئی فرق پڑا۔ اس سے کسی قسم کی جواب طلبی نہیں پڑ دوں گا۔ لیکن میں اس کی سزا ضرور

ایک ذیل سامنہ وہ بنانے لگا یہ جانے بغیر کہ اپر جو قید ایٹھا ہے۔

"یہ کس کی توجہ کا حامل ہے... میں نے گھومنگھر کے اعلاء درجے کے نیس اور قیمتی شاہکاروں کو دیکھتے ہوئے شوچا۔ پہلے ہی دولت کی کمی ہی، نہ خوش ذوقی کی۔ گمراہی جان کی سا لوگوں نے ادا سوشاں ای اتمیں نہیں، تو سکتی تھیں۔ اور اب والنو وال بچھے گھرے رنگوں کے ہوا کہ میرے پاس پاکستانی کرنی نہیں تھی۔ میں پریشان ہو اٹھا۔

"میرے پاس تو صرف ڈالر ہیں چلیں گے۔" "نوسرا!" اس نے صاف انکار کر دیا۔ "بڑا جنم جنمیت ہے۔"

"ڈریڈ سور سے اپر بنے گا۔" میں نے چند ڈالر اس کے آگے لبرائے وہ نوز خود می خیال رد کر دیا۔

"ضرور بھائی جان کی تھائی نے گھر کی دیرانی کو دور کرنے کے لیے یہ معنوی اور

کھو کھلے رجھ بھرنے کی کوشش کی ہے۔"

میں ایک نیچے تک پہنچ گیا۔ پورے استحقاق کے ساتھ میں پورے گھر میں گھوم پھر کے جائزہ لے رہا تھا۔ ایک کپ گرم کافی نہ بھی سفر کی ساری تکان زائل کر دی۔ اسی جان

زینا نے خود ہی باقر کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فہد کے لیے کتنی بھی ہے۔ اس کے لیے اس نے گمراہی کے بہترین رشتہ کو مسترد کر دیا۔ تاک متنا کی کسوٹی ہے پوری اُتر سکے۔ میں تو شکرانے کے نفل ادا کروں گی۔" وہ اٹھ گئیں لیکن مجھے توپیں اور ذلت کے احساس سے سلگتا چھوڑ گئیں۔

"زینا عمر! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ میرے بھوکے نش کے آگے سے روئی اخالی۔ اور بھوکا شیر کتنا خطرناک ہوتا ہے، تمہیں اندازہ ہی نہیں۔ آختم نے ایسا کیوں کیا۔ کس لیے....؟" میں نے خود سے سوال کیا۔

"یہ سوال میں تم سے نہیں کروں گا، بھی بھی نہیں۔ تم بھی نہیں جان سکو گی۔ میرے دل میں کیا تھا۔ مجھے تمہاری قسم پر افسوس ہو رہا ہے زینا! تم نے بڑے گھانے کیا۔" بے۔ عمر بھر کی ذلت، پکھتاوا اور محرومیاں خرید لی ہیں، یہیں بہیں وقت تھا۔ میں نہیں بتاؤں گا۔"

میں نے تبیہ کر لیا تھا کل آفس میں اس پر بھر کیے مطابق ناوی گھانے پہنچنے والے سے کسی طور یہ ظاہر نہیں ہونے دوں گا کہ مجھے اس کے فیصلے سے کوئی فرق پڑا۔ اس سے کسی قسم کی جواب طلبی نہیں پڑ دوں گا۔ لیکن میں اس کی سزا ضرور دوں گا۔

میں نے خود کو خدا تصویر کیا اور سزا اور جزادتی کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ایک ذیل سامنہ وہ بنانے لگا یہ جانے بغیر کہ اپر جو قید ایٹھا ہے۔

"ڈریڈ سور پی۔" لیکن ایک جھنکے سے زکی اور ڈرائیور نے کرائے کی رقم تباہی ایٹھا ہے اس نتیجے اس کے ڈالر کے ساتھ کیا ہوا کہ میرے پاس پاکستانی کرنی نہیں تھی۔ میں پریشان ہو اٹھا۔

"نوسرا!" اس نے صاف انکار کر دیا۔ "بڑا جنم جنمیت ہے۔"

"ڈریڈ سور سے اپر بنے گا۔" میں نے چند ڈالر اس کے آگے لبرائے وہ نوز ایکاری تھا۔

"سر! آپ اندر سے پتا کر لیں۔" "اندر....." میں نے گھرے بڑے سے گیٹ کے اندر جھانکا۔ باہر کھڑا گیٹ کپر میرے لیے نیا تھا۔ میں نے گیٹ کے اندر جھانکنا چاہا، بڑا سا کار پورچ خالی تھا۔ یقینا

ہر شخص میں ڈھونڈتا ہوں خود کو
کھل گیا جیسے میرے چھپنے کا انتظار کر رہا ہو۔
شاید میں کسی میں کھو گیا ہوں
اب تیرا جمل رائیگاں بے
میں کب کا اداں ہو چکا ہوں
اندھا ہوں پکڑ لے با تھہ میرا
اے بھر کی شب، میں بے غصہ ہوں
خوش ہو اے بلندیوں کی خواہش
میں نوک سن پج گیا ہوں
دریا کو شکست دی تم سمجھتے میں نے
کا سرور بھی۔ یہ تصویر با فرمائی جان کی شادی کے موقع پر پتھر کوں کی اڑات آخر بار
میں نے انہیں اتنا شاد و مطمئن دیکھا تھا۔ وہ کیا جانتی تھیں کہ آپ شہزادی...! پتھر کے
یہاں کب لگائی گئی۔ اپنی زندگی میں تو وہ کمی ایسا نہ کہہ دیتیں۔ شاید یہ تصویر بھائی جان
نے ان کے جانے کے بعد لگائی ہو۔

ان کی وفات کی خبر مجھے تب ملی جب انہیں بارے دوستتے ہو چکے تھے اور مجھے نہ
یارک آئے ذریعہ سال ہو رہا تھا۔ یہاں آنے کے بعد اپنے بھائیوں کی دل میں اپنی ایک بار پڑھی تھی کہ اب
اس کے مصرے وقت بے وقت نیچتے اندر گوختہ رہتے۔ میں نے بچ بچ اپنے مشینزے
میں پیاس ہی تو بھری۔ اپنے بانہوں حرا خرید کر لایا تھا۔

ماں کس کی سدا بیٹھنے کو بیٹھی ہے۔ تین میں ان بانہوں میں سے تھا، جنہیں ماں کا
آخوندی دیدار تک نہیں ہوتا۔ جنہیں اپنی ماں کے گزرنے کے کئی دنوں بعد پتا چلتا
ہے کہ انہوں نے اپنی چینا بچکا ہے۔

"چاچو! آپ میرے چاچو ہیں....؟"

جا گئے کے بعد جیسے ہی قبضہ میرے آنے کی خبر ملی تو وہ دوز کے میرے کرے میں
آگیا۔

"فبد، میرا فبد، چاچو کا فبد۔"

میں نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ کیا وقت تھا، جب یہ جان کر کر زینیا نے مجھ پر
باتھ بھیا کو صرف خند کی وجہ سے فوقیت دی ہے، مجھے اس معصوم بچے سے بے پناہ نفرت
محسوس ہوئی تھی۔ اس بچے سے، جو دنیا کی واحد تھی تھا۔ جس سے بے پناہ محبت کا اظہار

کے کرے کے بندرووازے کے آگے میں تھم گیا۔ ہاتھ کے بلکے سے دھکلنے پر دروازہ یوں

سب کچھ دیسے کا دیا تھا، وہی اپنی جان کے جہیز کا بڑا سایہ، اس پر بچھی منشید و دودھ
جیسی لے شکن چادر۔ اپنی جان کی وہی پسندیدہ رفتائی۔ میری خلک بخرا نگھوں کے فرش
میں میلے ہو چکے۔ میں نے کرے کی دیوار پر گلی اپنی اور با قر بھائی جان کی تصویروں کو
دیکھنا چاہا، سب ونکی کی ویسی تھیں، وہی تھیں ان میں کوئی اضافہ نہ ہوا تھا۔

اچانک میری نظر بائیں طرف والی دیوار پر لگی اپنی تصویر پر پڑی۔ یہ
تصویر اس کرے میں نیا اضافہ تھا۔ میں بے جان قدموں کو گھسیتا اس تصویر کے آگے گئے کھڑا
ہو گیا۔ اپنی کے چہرے پر آسودگی تھی۔ آنگھوں میں خواب تھے۔ اور لکھنا سیاں پہنچنے
کا سرور بھی۔ یہ تصویر با فرمائی جان کی شادی کے موقع پر پتھر کوں کی اڑات آخر بار
میں نے انہیں اتنا شاد و مطمئن دیکھا تھا۔ وہ کیا جانتی تھیں کہ آپ شہزادی...! پتھر کے
یہاں کب لگائی گئی۔ اپنی زندگی میں تو وہ کمی ایسا نہ کہہ دیتیں۔ شاید یہ تصویر بھائی جان
نے ان کے جانے کے بعد لگائی ہو۔

ان کی وفات کی خبر مجھے تب ملی جب انہیں بارے دوستتے ہو چکے تھے اور مجھے نہ
یارک آئے ذریعہ سال ہو رہا تھا۔ یہاں آنے کے بعد اپنے بھائیوں کی دل میں ایک بار پڑھی تھی
رہا کہ کوئی مجھے کھو جنہے نہ کالے۔ کئی بار جانے کی خوبی دل میں ابھری کہ ایک بار پڑھی تھی
کروں، وہاں سب کیسے ہیں، میرے جانے کے بعد کیا ہوا۔ لیکن کسی انہوں کے خدشے
سے دیکھ کے بیٹھے جاتا۔ ذریعہ سال کے عرصے میں جیکچھی پر افسیر خود ہی مجھے کوڑے مار
مار کے تھک گیا اور میری بزدلی جسے میں ہمیشہ اپنا غرور سمجھتا رہا دیکھا تھا تو اس نے بہت
کر کے پاکستان کی خیر خبر لینا چاہی۔ اور چہلی خبر جو ملی ہے تھی کہ اپنی جان کو گزار لے دیں
وہ مگر رچکے تھے۔ یہ خبر اتنی اندوہنا ک تھی میرے دلیے۔ اسے دوبارہ بھی تھی خبر لوگوں کے
آرزوں کی دل میں نہ جاگی۔

میں نے آہستہ آہستہ تصویر پر اپنی ہاتھیاں پھیریں۔
"مجھے معاف کر دیں اپنی! میں آپ کے پیار کے قابل نہ تھا، میں بد فیض تھا جو
سب ٹھکرا رہا تھا۔ دعا میں بھی، دنا میں بھی۔ اور ایک وقت آیا کہ دعاوں نے مجھے ٹھکرا
دیا۔ وفاوں نے خود مجھے سے منہ موڑ لیا۔"

اور یہ کچھ تھا مجھے دعا دینے والے لب کب کے خاموش ہو چکے تھے، مجھے سے وفا کا
عہد کرنے والے ہاتھ اب مجھے کچھ بھولے برے عبد یاد دلار ہے تھے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو عاشر؟" امی جان میری ہر زیدہ سرائی پر دنگ رہ گئیں، میں نے بات بھی تو انہیں پریشان کن حد تک حیران کر دئے والی کی تھی۔

"بات یہ ہے امی جان! کہ..... سمجھ میں نہیں آ رہا کیسے کہوں۔ اگر زینیا کے بارے میں آپ اتنی سنجیدہ نہ ہوتیں تو شاید میں بھی اس کی ذاتیات میں دخل نہ دیتا۔ وہ میری کو لوگ ہے اور آفس نام میں بھم اچھے دوستوں کی طرح رہتے ہیں، فبدے اس نے اپنی انسیت ظاہر کی تو میں نے اس کے اپنے گھر آنے جانے پر کوئی اعتراض نہ کیا، لیکن آپ کے اسے بھوکے طور پر منصب کرنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اس کے بارے میں کچھ تو چھان بنن کرنا چاہیے، زمانہ بہت خراب یہے امی جان، لوگ ہزار چہرے ایک چہرے پر سمجھا کرے ملتے ہیں۔"

"امنگھیا جاتے ہو، سیدھی طرح کہو؟" اسے آہنگی سے خود سے الگ کرتے ہوئے میں نے روپوں کا آنکھوں میں اس کے آہنگ کے غور سے دکھنا چاہا، میرے دل میں ایک گھونسہ سائیں ہے۔ اور پھر اسی چھوٹی کھوئی آنکھوں والا بچہ۔ بچپن کو میں دبپور چھوڑ آیا تھا۔ اس کی سنجیدگی وقت بڑے باوثوق ذراں سے مجھے علم ہوا ہے کہ اس کا اپنے بھائیوں سے جھگڑا وہ نہیں جو اس نے مشہور تر کھاے، اصل بات پوچھو اور ہے۔ بدناہی کے خوف سے اس کے گھروں اور میں ہی ہوں۔"

اور میری اتنی بڑی بات یہ ہے کہ اس کے نام پر تھوکتے ہیں وہ۔" اور وہ لڑکا، جسے وہ اپنا سوتیلا بھائی بتاتی ہے۔ اس کا اپنا بچہ تھا۔ پچھ پہنہیں، جائزیا تھا۔ اس کے باعث تھا۔ اس کے حامیوں کے بے دخل کر دیا تھا۔ یہ بندگی، یہ کار، یہ ایک سابق ایک اپنے بھائیوں سے تعلقات کا نتیجہ تھے۔" "جی تم کیا کہہ رہے ہو؟" انہیں نے تمہارے کان بھرے ہیں۔ میں بات کرتی ہوں مخفی نام پاس نہیں تھے۔ ان کے لیے محبت اور خلوعیں اپنے سے بے پہنچے ہیں۔"

"اس سے بات کرنے کا کیا فائدہ۔ بھلا چور اپنی چوری تسلیم کرتا ہے۔ میں سکمل تقدیق کر کے یہ بات آپ سے کر رہا ہوں۔ آپ کی مرضی۔ یقین نہ کریں اور بیڑا غرق کر لیں اس گھر کا۔ جو کی شرمن کی جانب سے رہ گئی تھی، وہاب پوری ہو جائے گی۔" میری وارنگ پر وہ متکری بیٹھی رہ گئیں۔ ظاہر ہے انہوں نے دنیا دیکھ رہی تھی۔ زمانہ شناس نہ کہی، مگر اچھے برے کی کچھ پیچاں تو تھی۔ اور پھر اچھائی کی تو اپنی مبک ہوتی ہے۔ کیا یہ مبک انہوں نے زینیا سے محسوس نہ کی ہوگی۔ کی ہوگی تب ہی اپنے سکے بیٹھی پسند تھی۔"

کرتے ہوئے میں کبھی بچکھا یا نہیں۔ یہ غرفت بھلے ہی بس ایک لمبے بھر کی تھی، لیکن بچپلے کئی سالوں سے میں اس ایک لمبے کے ہونے پر بچھتا تارہا۔ شرمندہ رہا۔ شاید میں عمر بھرا سے ٹوٹ کر جانے کے بعد تھی اس ایک بد صورت لمبے کا ازالہ نہیں کر سکتا تھا۔

میں ہی دیر میں اسے بازوں میں بچھنے، سینے سے لگئے کھڑا رہا۔ وہ دس میلارہ سال کا دبلا پتلا بچہ بھائی جان کی طرح لباس اتھا۔ میرے شانوں سے اوپر آتا۔ وہ میرے اخساں کو نہ نے پیرا ہیں اور ہاتا رہا۔ اس کی تیز دھڑکنیں میرے سینے میں یوں دھک دھک کرتی مدنظر ہو رہی تھیں جیسے اس کا دل میرے اندر ھمس آنا چاہتا ہو۔

"کیا ابو جان بھی مجھے سینے سے لگا کے ایسا ہی محسوس کرتے تھے۔"

میں نے اس کی آری لٹک ڈالے بھرے بھرے بالوں میں انکھاں بھیڑیں اسے آہنگ سے خود سے الگ کرتے ہوئے میں نے روپوں کا آنکھوں میں اس کا چھوڑہ تھام کے غور سے دکھنا چاہا، میرے دل میں ایک گھونسہ سائیں ہے۔ اور پھر اسی چھوٹی کھوئی آنکھوں والا بچہ۔ بچپن کو میں دبپور چھوڑ آیا تھا۔ اس کی سنجیدگی وقت کہیں پہلے سرپت بھاگ کے اس کے پاس آ پہنچا گی۔ شاید ان سب کا بھی ذمہ دار میں ہی ہوں۔"

وہ میرے پاس بیٹھا میرے چھوٹے چھوٹے آنکھوں کا جواب دے رہا تھا جیسا کہ جان کے متعلق، ان کے بڑے کے بارے میں، اپنے اسکوں کی باتیں، تعلیمی ریکارڈ وغیرہ، جب میں نے اس سے، اس کے دوستوں کے بارے میں پوچھا تو جیسے وہ شروع ہی ہو گیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں پہلی بار دیکھیں کہ رنگ دیکھنے اس کے بہت سے دوست تھے اور اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اس کے دوست میرے دوستوں کی طرف سے تھا۔ اس کے بہت سے تھا۔ رشتہوں کی کمی نے شاید اسے دوستی کے سہارے تلاش نہ پا کسیا تھا۔ میں خاموشی سے اس کی پر جوش گفتگو ستارہ اور خود کو ملامت بھی کرتا رہا۔

"عاشر ملک! ابتدی زندگی مکمل ہونے جا رہی تھی۔ اس کو ماں سننے والی تھی، صرف نام کی نہیں، بلکہ جج کی ماں.... ملاید گزرتے برس اسے بہن، بھائی کے رشتے بھی دے جاتے، لیکن تم نے سب اس سے ایک جھلکے میں چھین لیا۔ ایک بار اس کی ماں تم نے اس لیے الگ کی کہ وہ تمہیں پسند نہ تھی اور دوسری بار تم نے اس کی ماں اس لیے چھینی کہ وہ تمہیں پسند نہ تھی۔"

طرف ایک ماں ہونے کے خدشے تھے۔ وہ الجھنی تھیں۔

فی الحال میرے لیے اتنا کافی تھا، میری انگلی غرب پبلے سے بڑھ کے کاری تھی۔ اور اس کا بھی میں نے پورا انتظام کر کھاتھا، ایک جانے والے فون گرافر کے ذریعے میں نے زینیا کی ان تصاویر کو، جو پچھلے شوایر نیکشن میں لی گئی تھیں، ایسے ایسے انداز دیے تھے کہ اسی جان تو دیکھتے ہی اس پر لعنت بچج دیتیں۔ احتیاط میں نے ان تصاویر کی ایک کافی باقاعدگی تھی کہ ان کی غیرت کو بھی درجہ ایال تک لے آؤ۔ پھر بھائی جان کے لیے بھی بنوالي تھی تاکہ ان کی غیرت کو بھی درجہ ایال تک لے آؤ۔ پھر بھائی جان کے پاس پہنچانے کا مکمل انتظام کر کے میں بڑا مطمئن، بڑا ناخ سامن کے زینیا کی طرف چل پڑا تھا۔

”دوستی گزرے کل کی بات تھی۔“ اس کے روکے انداز میں نے تھک کے پوچھا۔
”کیوں۔ یا پھر میں یہ بھیوں کہ وہ دوستی آنے والے کل کو ہمارا کرنے کے لیے کی گئی تھی۔“ وہ تڑپ انھی میرے الزام کی تھی۔
”میں تمہیں ایک اچھا انسان سمجھی گئی تھی، اس لیے تم سے.....“
وہ لب کاٹتے ہوئے رک گئی۔ پھر اس اچا مک دفعے کے بعد سنبھل کے بولی۔ ”تم سے دوستی کرنی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم اس قدر گھناؤ نے کردار کے مالک ہو۔“
”واٹ ڈولو میں.....“ میں غصے سے کھڑا ہو گیا۔

وہ گھر میں اتنا ہی گھناؤنا ہوں تو پھر صرف میرے رشتے سے انکار کرنے پر ہی کیوں اتنا فکر کیا۔ میرے سچے بھائی کو بھی نہ کھرا دیتیں۔ لیکن نہیں زینیا عمر اتم ایک سود خور ذہنیت کی تھا کہ دیکھو میں جیت گیا، لیکن میں یاد کیم سکے دل، تھا اول میں بھائی کو ہمچنان تھا کہ مجھ سے بالک عورت ہو۔ پچھلے دل بارہ سالوں میں وہ اپنی ایک حیثیت بنا چکے ہیں، جب کہ میں بارے والی وہ عامی لڑکی، خود کو مجھ سے بیٹھتا ہوا جان رہی ہے۔
”بھائی ہمچنان ہزار بار ہاں ہوں۔ اور سوچو جو کہ طور پر تمہیں ایک لیسا شوہر بھی مل رہا ہے جو تمہارے احسان کے بوجو تھے دب کے ہمیشہ تمہارے تموے چاٹا رہے گا۔“

”بکو اسی کر رہے ہوتے۔“ پہلے نہیں نے اسے اس قدر جارحانہ انداز میں دیکھا۔
”جوناہ طریقے سے اس سے ملنے کے ارادے سانہ سے میسا تھا اس کے پلے ہی
سوال پڑھ کر کھڑا ہو کرنے کی بھی تھی اور باقاعدہ کے لیے ہائی بھرنے کی وجہ بھی کرو رہی تھی۔“

”تم اس قدر گندے، یہ دیانتے اور سکرودہ انسان ہو کر تم نے اپنے بھائی کی زندگی میں زہر گھولتے ہوئے بھی شرخند گیجھنے والی تھی۔“
”بات کیا ہے۔ تم اتنی اکھڑی اکھڑی ہیوں ہو۔“ وہ خامدہ نہیں ہیں، لیکن ایک کافی شرعی، اخلاقی ہمہ بھائیوں کے بھائیوں کے لیے نہ تھی۔ اتم نے اپنے کردار کی گندگی چھپانے کے طرف ہٹ کے اس نے گویا مجھے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ اب وہ پچھلیاں میں بھرپور ہو گئیں۔
”والی نشست پہ بیٹھی اپنی انگلیاں مسل رہی تھی، مجھے اپنے دل پر پچھلیاں میں بھرپور ہو گئیں۔“
”ہو میں۔ پتہ نہیں اس کی مسکراہٹ کا میرے ہاتھوں سے، اور اس کے ہاتھوں کا میرے دل سے یہ کیسا رابطہ تھا۔ سینے میں تے پھر سے اپنا سوال دہرا یا۔“

”عاشر! اب ہم کسی اور رشتے سے وابستہ ہونے جا رہے ہیں، مجھے تمہاری کمپنی میں کام کرنا مناسب ہو گیا ہے۔ اس نے اسے میرے لیے میں ریاضت کر رہی ہوں اور جب تک اس نے رشتے کو دو اسچ ٹکل نہیں مل جائی ہمارا ماننا مناسب نہیں۔“
”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ آخر ہم اچھے دوست ہیں۔ یہ نیارشتہ ہماری دوستی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ ان نیکت میں تو تمہیں مبارکباد ہی دینے آیا تھا۔“ میں نے پراسرا

”کس نے کہا تم سے یہ بہب۔ بولو۔ کس نے کہا۔ شرمن نے۔“

میں اس کی باتیں سن کر بچھر گیا۔ جزوئی انداز میں اس کی جانب بڑھتے ہوئے میں نے پوچھا، وہ زرد ہو کے پیچھے نہیں۔

”بچھے ہاتھ سے لگانا عاشر....! میں شرمنک نہیں۔“
اس نے پاس پڑا گلدان اٹھالیا، بچھے ایسے لگا جیسے اس نے بچھے چیخ کیا ہو۔ میرے اندر سے زبردست تحریک آئی، اسے مسل دینے کی۔ اس کا غرور پکنا چور کر دینے کی۔۔۔
مگر میرے پیر جیسے کئی من وزنی برف کے تو دوں میں تبدیل ہو گئے۔ میرے ہاتھ سن بہ کے میرے ہی پہلو میں گر گئے۔ میں نے آنکھیں پھٹا کے اسے دیکھا۔

”نہیں عاشر ملک! تم بھی یہ نہیں کر پاؤ گے۔ بھی نہیں، کسی کے ساتھ بھی نہیں، کم از کم زینا عمر کے ساتھ تو بھی نہیں۔“

میرے موبائل سپری بننے لگی۔ ذہلیے قدموں کے ساتھ بچھے ہوتے ہوئے میں صوف پر گرمیاں سیپ ابھی بھی نج رہی تھی۔ کم اکھیں کم مندی گھلی تھی جو میں نے اٹھا دیا بد کے میں، میں اس لے کر ہند بڑھ کے ذلالت کا سخت تھا۔“

”تم نے بہت برا کیا زینا، بہت برا، میں اچھا نہیں ہوں گا۔“ بچھے اعتراف ہے۔ میں پوری سچائی اور ہمت کے ساتھ یہ تشیم کرتا ہوں کہ بچھے نہیں بہت سی خاریاں ہیں۔ لیکن یہ اتنا

”آج جب ضرب بچھے پڑی تھی تو میں تذپب کیا تھا۔“
”کوئی عورت اتنا برا جھوٹ نہیں بول سکتی عاشر۔“ شرمنک نے بچھے چیزوں دلادیا ہے۔

کہ وہ شادی سے پہلے ہی تم سے محبت کرتی تھی، لیکن تم پڑوں کی شادی نہ ہو گئی۔ کیونکہ تب تم اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھے۔ لذت ہے کوئی انوکھی کہانی نہیں، نہ ہی اپنا

پہلا بار ہوا تھا۔ ایسے سانکھوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ اس کھجور کی سرگرمی کی کھاتے ہیں، اس کھجور کی سرگرمی کی سماتی ہیں اور پھر راشی برفنا، وجاتے ہیں۔ تھیں تھیں سانچھے تھیں۔
شاہزادی ہیں خوابوں کی بیسا پھر لئے بچھے گئی۔ میں خوابوں کی سرگرمی کی سماتی ہیں اور پھر راشی برفنا، وجاتے ہیں۔ تھیں تھیں سانچھے تھیں۔
شاہزادی ہیں خوابوں کی بیسا پھر لئے بچھے گئی۔ میں خوابوں کی سرگرمی کی سماتی ہیں اور پھر راشی برفنا، وجاتے ہیں۔ تھیں تھیں سانچھے تھیں۔
شاہزادی ہیں خوابوں کی بیسا پھر لئے بچھے گئی۔ میں خوابوں کی سرگرمی کی سماتی ہیں اور پھر راشی برفنا، وجاتے ہیں۔ تھیں تھیں سانچھے تھیں۔
تم اپنے ماں اور بھائی کی آنکھوں میں ڈھونل جھوٹکتے رہے، اور وہ اپنے شوبر کا مارتا رہی۔ اس نے بچھے سب کچھ بتا دیا ہے، سب کچھ۔“

وہ کہتی رہی اور میں بے حس و بے خونگت مختار ہا۔ بیپ اب بھی وتنے وتنے سے نج

”اس نے بچھے یہ لک بتا دیا ہے کہ نہ باتر کا نہیں، بلکہ تمہارا خون ہے، تمہارے اور شرمنک کے غصہ میں کام اپنے کھینچنا۔“

یہ آخری الزام میری بروافت سے باہر تھا۔ میں نے نیلیں پڑی چیزوں کو ہاتھ کے

وہ ہکے سے نیچے گراڑا اور جھٹت سے جنگ اٹھا۔ میرا بس نہ چل رہا تھا کہ ساری کائنات درہم برہم کر دوں۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی اتنی گندی بات منہ سے نکلنے کی، وہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، میرے بھائی کا بیٹا، ہاں وہ میرا خون ہے مگر.....“
میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن لفظ میرے لبوں تک آکے نوٹ ٹوٹ گئے۔

”اور وہ پچھے جئے وہ اپنا سوتیلا بھائی بتاتی ہے، اس کا اپنا ہے، جائز یا ناجائز یہ پتا نہیں۔“ میرے ہی کہے الفاظ نے میرے منہ پر طما نچہ رسید کیا۔ اب زینا کے طما نچہ کا درد

صوف فر پر گرمیاں سیپ ابھی بھی نج رہی تھی۔ کم اکھیں کم مندی گھلی تھی جو میں نے اٹھا دیا بد کے میں، میں اس لے کر ہند بڑھ کے ذلالت کا سخت تھا۔“

”تم نے بہت برا کیا زینا، بہت برا، میں اچھا نہیں ہوں گا۔“ بچھے اعتراف ہے۔ میں پوری سچائی اور ہمت کے ساتھ یہ تشیم کرتا ہوں کہ بچھے نہیں بہت سی خاریاں ہیں۔ لیکن یہ اتنا

لگائی۔ میرے لبوں پر ایسی مجرمیت کی سکراہٹ تھی جیسے کہ کسی سپاہی کے ہونوں پر تب لکھا دتا اڑا، اتنا برا جھوٹ۔“

”آج جب ضرب بچھے پڑی تھی تو میں تذپب کیا تھا۔“

اب میں جان گیا تھا کہ میرے ساتھ جو ہوا ہے وہ شرمنک نے نہیں کیا۔ میں جو سن رہا ہوں وہ زینا نہیں کہہ رہی۔ بیپ تو میرے اعمال کی سزا ہے۔

”تم اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھے۔ لذت ہے کوئی انوکھی کہانی نہیں، نہ ہی اپنا پہلا بار ہوا تھا۔ ایسے سانکھوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔“

”اسے خاصوں کو بھی ہو کئے ہوئے ہوئے کئے ہوئے کوئی اور نی کہانی گھڑا عاشر ملک!“

اٹھاتے ہیں خوابوں کی کبی اپر اپر لئے بچھے گئی۔ فون ایسی بیپ چھی۔ مگر یہ سب پس منتظر میں گونج رہا تھا عاشر ملک کہ تم نے قدرت سے راضی برخا ہوانے لے انکار کر دیا۔

تم اپنے ماں اور بھائی کی آنکھوں میں ڈھونل جھوٹکتے رہے، اور وہ اپنے شوبر کا مارتا رہی۔

”عاشر ملک، آج تم چاروں خانے چلتے ہو گئے۔ جب تک تم صرف اپنے غرور کی تکین کے لیے، اپنی اکڑ کے زعم میں اور اپنی خود پسندی کے نشے میں چور، وہ چھوٹی چھوٹی رہی تھی۔“

بے ایمانیاں کرتے ربے، اللہ نے شاید تمہاری رہی دراز کر کھی تھی۔ یا پھر وہ تمہیں کسی شریروں کی رہی تھی۔

اور ناکچھے نیچے کی رہائی دیتے ہوئے درگزر کرتا رہا۔ لیکن جب تم نے خدا کے کام اپنے

ہاتھ لینے شروع کیے، تقدیر خود قدم کرنے کے لیے قلم سنجال لیے۔ تو یہ رہی تو اللہ نے چھینچا

ہی تھی۔ اب تم کچھ میں دھنے ہوئے ہو۔

وہ نامی لڑکی جس کی ہمارا تماشہ تیکھنے آئے تھے، تم پر تسویہ کر رہی ہے، وہ عورت

کتنے ہی لمحے گزر گئے تھے، میں بھول ہی گیا تھا کہ میں کہاں ہوں اور کیا زینا بھی
یہاں موجود ہے، لیکن کچھ عین دیر بعد مجھے اپنے باتحہ پر کسی سکلے سلسلے کا احساس ہوا۔
کانپتی کی انگلیوں نے اسی طرح میرا ہاتھ سہلا دیا۔ جیسے بارہا سہلا دیا تھا۔ میں نے ذرا سی
پلکیں کھول کر دیکھا۔ زینا میرے سامنے کا رپٹ پر دوز انوپنی تھی۔ میری آنکھیں پتے
نہیں کیوں دھنڈلی تھیں، مجھے اس کے لبوں پر کوئی مسکراہٹ نظر نہ آئی، البتہ
میرے ہاتھ پر وہ لمس ابھی تک کلیاں چن رہا تھا۔ میں نے پلکیں جھپک کے پھر سے
دیکھا۔ آنکھوں کی پتلیوں پر تیرے بھرتے گdale سے آنسو پلکوں کی سولی پہنچ گئے۔
منظر ذرا سا صاف ہوا۔ زینا کی آنکھیں مجھ پر جھی ہوئی تھیں مگر اس کے لب ساکت
کامل جاتی، تم اپنی صفائی پیش کر کے اس کا دل حاضر کر لیتے۔

لیکن مائلنا، گزگزا تھا ہمارے لیے مشکل تھا۔ یہ سوچنا آسان تھا کہ اگر وہ پہنچتا رہے تو کسی اور کا بننے بھی نہ دوں گا، تم تقدیر لکھتے چلے تھے تو اب تمہیں تمہاری اوقات یا
زینا کا ہاتھ دہڑھڑا کر رہا تھا۔ میری روح پوری شدت لے کاپ گئی۔

میں چپ چاپ آنکھیں بند کے یہ طمعِ خستا رہا۔ سہاں لہتی بیپ بھی اور زینا کا
سوال بھی۔ افلاط ادا کیے۔ میں پھر سے کلکا لہتا۔

”کیا یہ کوئی نئی سزا ہے، اللہ، معاف تو مجھے اس سے مائلنا ہے۔“

”شرمیں.....!“ اسکرین پر شاید شرمیں کا نمبر آ رہا تھا۔ وہ فراز اُٹھی
میں نہیں دا آنکھوں سے بے جان بیٹھا اسے لیکر لے زینا کے قوانین کا اعلان کرنے کے لیے
اچانک اس کی نظر زمین پر پڑے سلسلہ پکارتے میلائیں پہنچی وہ جو نک اُٹھی۔

”میں تو یہ جان کر اس کی بیلت سننا چاہتی تھی کہ تمہیں مزید شرمندہ کر سکوں، لیکن پا
کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔ شاید شرمیں نے دوسرا طرف سے تھواز سننے کی بھی زحمت نہیں کی۔
تھی۔ اتنی دیر بعد رابطہ قائم ہونے پر ایک سیکنڈ کا انتظار کیے بغیر شجاعت ہو گئی۔ خحانے دہ کیا
کہہ رہی تھی زینا سنتی تھی۔ اور اس کی پیشانی سے پلیٹن اپ ہوتا گیا۔ وہ تھی اور اس کی
آنکھیں تھکتی گئیں۔ وہ سنتی گنی اور اس کے لب کیپکاٹتے گئے۔ اپنے دیر بعد اپنے ہمیلی
آف کیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کے سامنے ڈالی نشست پر نیک لگائی۔ میں یہ
آنکھیں پھر سے موند لیں۔ مجھے میں نہ تو یہ جانے کی خواہش تھی کہ شرمیں نے اس سے اب
اور کیا کہا اور نہیں اُنہ کے یہاں سے جانے کی جنت تھی۔

میں تو ایک الگ ہی کیفیت میں تھا۔

”اللہ اللہ، میرے اللہ مجھے معاف کر دے...“ میں اسی قابل تھا، مگر تو مجھے سنبھلنے کا
ایک موقع دے۔ ”مجھے نہ امانت تھی۔“

”یا اللہ، مجھے معاف کر دے۔ کل تک کوئی مجھے اس قابل نہ لگتا تھا کہ میں اسے اپنے
لیے جانتا، آج میں اس قابل نہیں کہ کسی کا ہو سکوں۔“

جسے تم نے محض اس لیے ٹریپ کیا کہ اس نے تم سے محبت کرنے کی جارت کی۔ تمہیں اس
کی اپنے بھائی سے بے وقاری پسند نہیں آئی اور تم نے فریب سے اسے بھائی کی زندگی سے
دور کر دیا اور تمہاری یہ بات اللہ کو پسند نہیں آئی۔ سزادیے کا اختصار تو صرف اس کو ہے وہ
شمیں کو معاف کرتا، سیدھی راہ پر لاتا، یا سزادیتا۔ یہ تو اس کی مرضی تھی۔

زینا کو اپنانے کی تھی نے ہر ممکن کوشش کی، اس کوشش کا اختیار اللہ نے ہی تمہیں دیا
تمہا لیکن اس اختیار کو شکل استعمال کرنے کی اجازت تو نہیں دی تھی، تم ایک بار تو اسے محبت
سے جیتنے کی کوشش کرتے، اس کے انکار کی وجہ تو جانے کی کوشش کرتے، شاید یہ بات پہلے
کامل جاتی، تم اپنی صفائی پیش کر کے اس کا دل حاضر کر لیتے۔

”لیکن مائلنا، گزگزا تھا ہمارے لیے مشکل تھا۔ یہ سوچنا آسان تھا کہ اگر وہ پہنچتا رہے تو کسی اور کا بننے بھی نہ دوں گا، تم تقدیر لکھتے چلے تھے تو اب تمہیں تمہاری اوقات یا
ولا نا ضروری تھا۔“ میں چپ چاپ آنکھیں بند کے یہ طمعِ خستا رہا۔ سہاں لہتی بیپ بھی اور زینا کا
سوال بھی۔

اچانک اس کی نظر زمین پر پڑے سلسلہ پکارتے میلائیں پہنچی وہ جو نک اُٹھی۔

”شرمیں.....!“ اسکرین پر شاید شرمیں کا نمبر آ رہا تھا۔ وہ فراز اُٹھی
پاچھے تھا۔ میں اس کی باثان پر یقین کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی۔“

کان سے لگاتے دیکھا رہا۔ اس نے آن کرتے ہی پچھوٹانے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر وہ
کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔ شاید شرمیں نے دوسرا طرف سے تھواز سننے کی بھی زحمت نہیں کی۔
کہہ رہی تھی زینا سنتی تھی۔ اور اس کی پیشانی سے پلیٹن اپ ہوتا گیا۔ وہ تھی اور اس کی
آنکھیں تھکتی گئیں۔ وہ سنتی گنی اور اس کے لب کیپکاٹتے گئے۔ اپنے دیر بعد اپنے ہمیلی
آف کیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کے سامنے ڈالی نشست پر نیک لگائی۔ میں یہ
آنکھیں پھر سے موند لیں۔ مجھے میں نہ تو یہ جانے کی خواہش تھی کہ شرمیں نے اس سے اب
اور کیا کہا اور نہیں اُنہ کے یہاں سے جانے کی جنت تھی۔

”یا اللہ، مجھے معاف کر دے۔ کل تک کوئی مجھے اس قابل نہ لگتا تھا کہ میں اسے اپنے
لیے جانتا، آج میں اس قابل نہیں کہ کسی کا ہو سکوں۔“

میں حیران تھا، کیا میری توبہ اتنی جلدی قبول ہو گئی۔ کیا اللہ نے مجھے اتنی جلدی معاف کر دیا۔ کیا میرے دامن پر کسی توبہ اتنی جلدی مٹ گیا۔

”ناشر....! تم نے بھی مجھے بتایا کیوں نہیں کتم مجھے سے۔ ...“

اب وقت آگیا تھا، جب مجھے اپنی تمام غلطیوں کا اعتراف کرتا تھا، خدا کے آگے جھکنے کے بعد، گزگزانے کے بعد، مجھے احساس ہوا کہ معافی مانگ لینے میں تو نفع ہی نفع ہے۔ کیسے اللہ نے میری توبہ قبول کی اور مجھے پر الزام لگانے والی نے خود اپنی زبان سے یہ الزام ذہوبی ڈالے۔ اب مجھے زینیا کے آگے بھی اپنا آپ کھول کر رکھ دینا تھا۔ سب کچھ بتا دینا تھا۔

”زینیا! بات اتنی سیدھی نہیں جتنی تم سمجھ رہی ہو۔“ کتنی دیر خاموش رہنے کے بعد ”شہزادی“ کے سب کچھ جھوٹ بولا، لیکن پھر حق تھا۔ بھی تھیں بتائیا چاہتا

”شہزادی نے تم سے سب کچھ جھوٹ بولا، لیکن پھر حق تھا۔ بھی تھیں بتائیا چاہتا ہوں، یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے درمیان نہ تو اس کی شہزادی کے سلسلہ یقین تھا نہ بعد میں رہا۔ یہ بھی حق ہے کہ فہد... لیکن ایک حق یہ بھی ہے کہ اس نے نہیں جانی جان سے طلاق میرے درخواست کے بعد ہی لی گئی۔ میں نے اسے یقین دلایا تھا کہ اس طلاق کے بعد میں اس سے شادی کر لوں گا۔“

لیکن انسان سے برا جایو اور سونے سے، وہ ابھی ابھی جو کچھ میں کر کے آرہا ہوں اس سے کم رکا، وہ بے یقین سے مجھے دیکھنے لگی۔ میرے باقاعدہ راست اس کا کام تھا مجھے ملتے رہنے کی ہمت دلار بات تھا۔ مجھے ذرخواستیں وہ یہ ہاتھ پھر لے انجانہ لے۔

”لیکن اس کی ایک وجہ تھی، ایک ٹھوس اور جائز وجہ تھی۔ جس ڈنپی اپنی اپنی اور اخلاقی کمزوری کا شکار تھی۔ اس پر اب میرا سمجھاتا بھائی اپنی داشتادی کو مجھے معاف نہ کر لی۔ یہی دیکھا لو۔ ابھی بھی صرف فاصلہ شہزادی کی باتوں میں آ کے اس کیا فیصلہ کر دیتھی تھی، حالانکہ میں تو بیشتر مجھے سب سے پہلے یہ احساس دلانے والی تھیں کہ شہزادی میں بھی اپنے اسی فقرے میں اٹک گیا۔

”اگر میں تمہاری بیکھڑی ہوں تو تمہیں بھی معاف نہیں کرتی۔“

شہزادی نے اپنا آپ عیاں کر دیا۔ زینیا اب اس کا میرے بھائی کے ساتھ رہنا ہم میں سے کسی کے لیے بھی تھیک نہیں تھا۔ جب تک اس نے خود پر بند باندھ رکھتے تھے تب بھی وہ خود کو اپنی ازدواجی زندگی کو سنبھالنے میں بڑی طرح ناکام رہی تھی، اور بات کھل جانے کے بعد، اظہار کو رستہ مل جانے کے بعد وہ کیسے خود پر کنٹرول کرتی۔ زخم جب ناسور بن جائے تو اس پر مرہم نہیں لگاتے۔ کاث ڈالتے ہیں۔ میں نے اسے اپنی باتوں سے یہ یقین دلا دیا کہ اس کی طلاق کے بعد میں اس کی خاہش پوری کروں گا۔ اس نے طلاق لے لی، اب میرا بھائی ایک کمزور کردار کی عورت سے دور تھا اور میرا بھتیجا ایک افس کی ماری مال۔

سے محروم، یہی میرا مقصد تھا میں نے شہزادی کے تھانے پوری کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے انتقام سے بچر کے پیقدم اٹھالیا۔“

”اور میں تھی بے وقوف، آسانی سے اس کی باتوں میں آ گئی۔“ وہ بے چین ہو کے اٹھا بیٹھی۔

”اوہ! عاشر! یہی میں نے کیا کر دیا۔ تم مجھے معاف کر سکتے ہوں۔ بولو کیا میں معافی کے قابل ہوں۔“ وہ بچر سے میرے قریب بیٹھ گئی۔ تاسف، بے قراری اور مطالم نے اس پر اکٹھا حملہ کر دیا تھا۔ معافی کے لفظ پر میں مسکرا اٹھا۔

”غلطی تمہاری نہیں، یہ تو میرے اپنے اعمال سے جو میرے آگے...“

”شہزادی کہتے ہیں میں رُک سا گیا۔ مجھے اچانک یاد آگیا کہ میرے اعمال میں صرف اتنا میں بولا تو مجھے خود اپنی آواز اچھی سی گئی۔“

”شہزادی نے تم سے سب کچھ جھوٹ بولا، لیکن پھر حق تھا۔ بھی تھیں بتائیا چاہتا ہوں، یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے درمیان نہ تو اس کی شہزادی کے سلسلہ یقین تھا نہ بعد میں رہا۔ یہ بھی حق ہے کہ فہد... لیکن ایک حق یہ بھی ہے کہ اس نے نہیں جانی جان سے طلاق میرے درخواست کے بعد ہی لی گئی۔ میں نے یقین دلایا تھا کہ اس طلاق کے بعد میں اس سے شادی کر لوں گا۔“

”میں نے اتنا سے معافی مانی اور اس نے مجھے معاف کر دیا۔“

لیکن انسان سے برا جایو اور سونے سے، وہ ابھی ابھی جو کچھ میں کر کے آرہا ہوں اس سے شادی کر لوں گا۔“

”لیکن میں میں نے اتنا سے دیکھ دیا ہے دیکھا۔ اس کے چہرے پر گلاب کھل رہے تھے۔“

”میں نے اتنا سے معافی مانی اور اس نے مجھے معاف کر دیا۔“

”عاشر....! تم زینیا اپنی بڑی غلطی کو کتنی آسانی سے بھاڑا دیا۔ تم حق مجھ بہت کمزوری کا شکار تھی۔ اس پر اب میرا سمجھاتا بھائی اپنی داشتادی کو مجھے معاف نہ کر لی۔ یہی دیکھا لو۔ ابھی بھی صرف فاصلہ شہزادی کی باتوں میں آ کے اس کیا فیصلہ کر دیتھی تھی، حالانکہ میں تو بیشتر وہ پہنچیں کیا۔ کہنے جاؤ ہی تھی۔“

”اوہ! تو تمہاری بیکھڑی ہوں تو تمہیں بھی معاف نہیں کرتی۔“

”میں نے بھیش تمہیں چاہا ہے۔ ہمیشہ تمہارے ساتھی کی تھیں کی ہے۔“

چھکی آنکھوں کے ساتھ اپنی شخصی مسکرا بست سے سبھانتے ہوئے اس نے ایک مبکتا سا اترار کیا۔ وہ اقرار، جسے سننے کی میں نہ داندھے بیٹھا تھا۔ اور آج یہ ہت اس نے کر دیا تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس رشمی مسکرا بست سے چھڑا لیا۔

”کیا ہوا عاشر....؟“ میں کھڑا بوجکا تھا۔ اور وہ ہر اس اکھڑی پوچھ رہی تھی۔

”عاشر....! کیا تم ابھی تک ناراض ہو، میں مانی ہوں کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ کئی الزام لگائے۔ بچر اچھا لے۔ تو ذکر تو ہوتا ہے اور یہ ذکر کتب ناقابل برداشت

ہو جاتا ہے جب یہ کچھ اس سنتی کی جانب سے پہنچا گیا ہو، جس سے آپ سچ مجھ مجت

کرتے ہوں۔ عاشر اور مجھے اعتراف ہے کہ اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو مر جاتی۔ لیکن تمہیں کبھی معاف نہ کرتی.... لیکن تم مجھے جیسے عام سے انسان تو نہیں عاشر، تم تو مجھے معاف کرنی سکتے ہو۔“

میں پل بھر کو تھما۔

”دکھ تو ہوتا ہے، اور یہ دکھ تباہی۔“ برداشت ہو جاتا ہے جب یہ کچھ اس سنتی کی جانب سے پہنچا گیا ہو۔ جس سے آپ سچ مجھ مجت کرتے ہوں۔“ یہ فتویٰ بھی اسی نے تو صادر کیا تھا۔ میں کیسے بھول جاتا۔

”میں تم سے مجت کرتی ہوں عاشر.....!“ اس کا یہ اقرار مجھے باور کراہ تھا کہ میرا دیا گیا یہ کھا سے کتنی میں دے گا۔ میں کیسے رک جاتا۔

”اور میں تمہاری جگہ ہوتی تو مر جاتی۔ لیکن تمہیں کبھی معاف نہ کرتی تو فصلہ تو اس نے سنا ہی دیا تھا۔ میں کیا معافی مانگتا، مجھے یہاں میں جانا ہی تھا اور میں چلا گیا۔“

”تم کہاں حلے گئے تھے عاشر؟“
”تم جانتا تھا، میں کسی نہ کسی دن مجھے اسی سوال کا سامنا تو کرنا پڑے گا اس کے باوجود میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ میں اس کا جواب کیا دوں گا۔ اور اجس جسم باہر بھائی جان مجھے گلے سے لگانے کے بعد یہ سوال کر رہے تھے تو مجھے اس کے سوا اور پچھلے سو جھٹکے کریں ایک بار پھر ان کے گلے لگ کر رونے لگا۔ انہوں نے بڑی چیلٹ سے میرے پڑ مردہ چہرے پھیلتے آنسوؤں کو دیکھا۔

”تمہیں ہو کیا گیا ہے عاشر؟ میرے بھائی، میرے اپنے بھائی تھاتے کیوں نہیں۔ ہم سب سے کیا غلطی ہوئی تھی جو تم ہمیں چھوڑ کر چلے گئے؟“
”ایسا بھیرا خیال تھا تیر آرم کر دے، فہر نے تمہیں سونے تو نہیں دیا ہوگا۔“ وہ کہتے ہوئے میرے نیچے، دل کی بات، دل میں رکھنے کی تعداد تک چھوڑ دے کے۔“ میں سب بھائی کچھ نہ بھانے پڑا۔ لیکن وہ گزرے گل کی بات تھی۔ اس کل اسے روک لیا۔ بھائی جان کی حیرانی بجا تھی۔ لیکن وہ گزرے گل کی بات تھی۔ اس کل کی، جس کل میں اس کے یاں بس ”میں۔“ ہی ”میں۔“ ہوتا تھا اور اب ان کے بھائی کی ”میں۔“ ہی تو ٹوٹ چکی تھی۔ اب تو بس ”تو ہی تو۔“ رہ گیا تھا۔ اس ایک لمحے کے انکشاف نے مجھے سراپا بدلتا تھا۔

”تمہارے جانے کے بعد ہم لوگ کتنے چریشان ہوئے۔“ تم اس کا اندازہ بھی نہیں لگاسکتے۔ ان تکلیف دہ دنوں کا ذکر بھی میرے زوٹنے کھڑے کر دیتا ہے۔ میں نے ہر کہیں.... خدا نخواستہ تم کسی حادثے کا.... لیکن ابی جان نے مجھے ایسا نہ سوچنے دیا۔ انہیں یقین تھا کہ تم زندہ ہو۔ مگر ناراض ہو۔ کسی نہ کسی بات پر زوٹنے کے چھپ بیٹھے ہو۔ وہ آخری دن تک تمہیں یاد کرتی رہیں۔ پکارتی رہیں، مگر تم جانے کہاں چھپے بیٹھے تھے

Alia

Photo

Sai

Sai

پہلی خبر جو میں وہ یہ تھی کہ امی جان کی وفات کو پندرہ روز ہو چکے تھے۔ اٹھارہ مہینوں کے بعد میں نے خود پر اور ہمی چادر ذرا سی سر کا نکے باہر دیکھنا چاہا تھا اور اسی ذرا سی اوٹ سے اتنی گرم لوکے تھیں تھے پڑے کہ میں نے گھبرا کے خود کو اور ڈھانپ لیا۔ اور کئی سال تک پھر دوبارہ کوئی خبر لینے کی کوشش نہ کی۔

امی روپوچی کے عالم میں کئی سال گزر گئے کہ ایک دن اچاک نوید سے ملاقات ہوئی۔ اس نے شادی کر لی تھی۔ اس کی خوبصورت بیوی اور پیاری تھی پہنچی اس کے ہمراہ تھی اس لیے ایک حد میں رہتے ہوئے وہ مجھے جتنی گالیاں دے رکا۔ اس نے دیں میں ذرuba تھا کہ اس کے سوالوں کے جواب کیا دوں گا، لیکن حیرت انگیز ملور پر اس نے تا۔ میرا پاپسپورٹ، سرپنچیں، چیک بکس، سب آفس میں تھا۔ وہ سب لے کر میں سیدھا بعد کی گھنول دار عبارت پکھنے سمجھ میں آئی۔

مجھے تھے کوئی سوال نہ کیا۔ البتہ زبردستی میرا ایڈریس پر ضرور لیا۔ میں نے اس کی منتیں کی۔ اسلام آباد چلا گیا۔ میرا امریکہ کا ویزا پہلے سال ہی پانچ برس کی معیاد کا لگا تھا جس کی وجہ سے صرف دو دن لگے اور یہ دو دن میں بنے ہوئے لے بند کرتے تھے مگر تو کوئی بھائی نہیں تھے۔ میں گزارے کہ معاف کر دینے والی نہیں تھی صرف خداوند کرامہ کی تھے۔ اگر انہیں معاف فرمائنا ہے تو اسی سے مانگنا ہے۔ زینیا تو کہہ ہی چھلی تھی کہ پیغمبر امی جگہ بتوی تو حسینہ بھی۔

اور اس نے وہ مدد بھی لے چکر لیا، بلکہ شاید کسی حد تک بھایا بھی۔ اس نے بھائی جان کو میرے امریکہ میں ہوئے کی اخلاق دی تھی لیکن اس کے پاکستان جانے کے صرف معاف نہ کرتی۔

ایک مینے بعد ملنے والے زینیا کے خاتمے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اسے میرا ایڈریس کیا جائے۔

"میں نے سرخ گابوں کا انتظار شروع کر دیا ہے۔" اور ساتھ ہی مجھے اس کے وہ

الناظر بھی یاد آئے۔

"سرخ بھول تو گویہ ہجھٹ پڑتے ہیں، یا شادی پر یا میت پر....."

(اور شاہرہ میں ہٹا دی ہی کر رہی تھی) اور مجھے میرا عہد یاد دلانے کا بھی یہی میتھا تھا میری زینیا کے منہ پر مارنے چلی گئی ہوئی۔ ای جان تو فوراً

اور زینیا نے خود جب یہ تصاویر دیکھی ہوئی تو اس کی اپنی حالت چھوڑ دی۔ اور

جب امی جان اسے بتائیں گی کہ عاشر اس کے قوت توں لے چکی آگاہ کر چکا ہے تو اس کے

نے سر جھٹک دیا۔ ایسے کیا ہو سکتا ہے مجھے باقہ بھائی جان کی بات بھی ذہنرب کر رہی تھی۔

"آخری وقت اس نے ان کی بڑی غدمت کی اور بہت دنما میں لیں۔"

فبد نے بھی اس کے بارے میں جتنی باتیں کی۔ ان سے ظاہر ہوا تھا کہ گزرے

اور میرا نے راز کھل جانے لئے بعد اس نے..... بس اس سے آگے میں اپنے تصور

کو روک لیتا۔ سوچوں کے دروازے منبوطي سے بند کر لیتا، بھی اس جاہاٹی کوڑیوں سال کا عرصہ ہی گزرا تھا، کہ میرے دل کو اچاک ایک بے کلی نے آن گھرا۔ وہ ہمکہ میرے

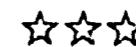
پاکستان کی طرف لپکنے لگا۔

"آؤ عاشر! میں کئی روز سے تمباڑی انتظار کر رہا ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کے

بے تاب ہو کے میں نے چوربی چھپے کچھ اور ذرا لائی سے وہاں کی خیر خبر لیتا چاہی اور

اس خود ساختہ جاہاٹنی میں میں نے اپنے نفس کو بھونکا پیاسار کہ کے ملامت اور چچھتاوے کے ہزاروں کوڑے بر سائے تھے۔ میں اپنے بھائی کے اس سہال کا کیا جواب دوں کہ میں کہاں رہا، میں نے کیا کیا۔ مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ.....

پہلا لفظ تھا اسم خدا کا، دو جا لفظ جدائی بعد کی گھنول دار عبارت پکھنے سمجھ میں آئی



زینیا کے گھر بیٹے نکلنے کے بعد مجھے میں اتنی ہمت تک نہ تھی کہ میں اپنے گھر جا پا تا۔ میرا پاپسپورٹ، سرپنچیں، چیک بکس، سب آفس میں تھا۔ وہ سب لے کر میں سیدھا اسلام آباد چلا گیا۔ میرا امریکہ کا ویزا پہلے سال ہی پانچ برس کی معیاد کا لگا تھا جس کی وجہ سے میں بھی صرف دو دن لگے اور یہ دو دن میں بنے ہوئے لے بند کرتے تھے مگر تو کوئی بھائی نہیں تھا۔ میں گزارے کہ معاف کر دینے والی نہیں تھی صرف خداوند کرامہ کی تھے۔ اگر انہیں معاف فرمائنا ہے تو اسی سے مانگنا ہے۔ زینیا تو کہہ ہی چھلی تھی کہ پیغمبر امی جگہ بتوی تو حسینہ بھی۔

یہی تو اللہ اور بندے کے درمیان رشتہ ہے۔ لے بزار نافرمانیوں کے بعد بھی اس کا در بندے کے لیے کھلا ہی رہتا ہے جب کہ زینیا تو کہہ ہی چھلی تھی کہ پیغمبر امی جگہ بتوی تو حسینہ بھی۔

جب امی جان اور یاقر بھائی جان کو وہ تصاویر میں ہوں گی جن میں زینیا کی انجان ہیں تھیں کہ ساتھ ہدود جبے تکنی سے قریب ہے تو ان کا لگانہ ہوا ہوگا۔ ای جان تو فوراً یہ تصاویر میں ہوں گی۔ اور زینیا کے منہ پر مارنے چلی گئی ہوئی۔ ای جان تو فوراً اور زینیا نے خود جب یہ تصاویر دیکھی ہوئی تو اس کی اپنی حالت چھوڑ دی۔ اور جب امی جان اسے بتائیں گی کہ عاشر اس کے قوت توں لے چکی آگاہ کر چکا ہے تو اس کے فوراً سمجھ جائے گی کہ یہ حرکت نہیں میری ہے۔ ویسے بھی اس کی یہ تصاویر میرے ہی آفس کے نیکھوں میں اور ان کے نیکھوں بھی میرے ہی پاس تھے۔ میرے عادوں اور کون ان میکبوڑ کو ناطق مقاصد سے استعمال کر سکتا ہے۔

اور میرا نے راز کھل جانے لئے بعد اس نے..... بس اس سے آگے میں اپنے تصور کو روک لیتا۔ سوچوں کے دروازے منبوطي سے بند کر لیتا، بھی اس جاہاٹی کوڑیوں سال کا عرصہ ہی گزرا تھا، کہ میرے دل کو اچاک ایک بے کلی نے آن گھرا۔ وہ ہمکہ میرے

پاکستان کی طرف لپکنے لگا۔

282

مجھے ملے ہوئے کہا۔ اس کی گرجوٹی نے مجھے مل کرنے پر مجبور کیا۔
”نوید، زینا کو میرا یڈریں تم نے دیا؟“
”ہاں۔“ بغیر کسی اچکچا ہٹ کے اس نے اقرار کر لیا۔
”مگر کیوں۔“ ”میں احتجاجاً“ جیخ اٹھا۔
”پہلے تم یہ بکو کہ تم کیوں چھپتے پھر ہے ہو.....؟ کس بات کی سزادے رہے ہو زینا
کو، اپنے بھائی کو.....؟“

”تم نہیں جانتے نوید، تم کچھ نہیں جانتے۔ اگر تم جان جاؤ تو میرے لیے اس سے
کڑی سزا بھویز کرتے۔ ہاں یہ سزا میں خود ہی کوتو دے رہا ہوں۔“
”میں یہ سزا تم ان سب کو دے رہے ہو، جو تم سے محبت کرتے ہیں۔ اور ہاں یہاں پہلے چھپے
میں جانتا ہوں، سب جانتا ہوں۔“ اس نے میرے شانے پر با تحد کہ کے کوہیں پہلے چھپے
اکے گھر چلا گیا۔ نوید کی ہم توہنہ دار اشنا فطرت پر مجھے یقین تھا اور کوریئر مرسدس کی بر وقت سردوں
چیران ہوا، پھر شرم سے زینا میں مگر گیا۔
”تو کیا زینا نے تمہیں بھی سب اپنے بنا دیا۔“
”نہیں بلکہ اصل میں تو میں نے زینا کو۔“ ہے زکا پھر کی چین انہا کے مجھے بھی
اشارہ کیا۔
”چلو اٹھو، باہر نکلتے ہیں، آفس میں اسی منسلک کو کتنا مناسب نہیں۔“ میں کسی معمول
کی طرح اس کے پیچھے چل پڑا۔

”جانتے ہو اس روز، اس روز جب تم جانے سے پہلے مجھے آخی بار ملے تھے۔“
اس نے اپنی کارڈیوس روڈ سے نکال کر یہیں چوک رہا۔
”ہاں لیکن تب تک میں نہیں جانتا تھا کہ میں چھپنے والے کس طور پر نکلنے والا
چلکی تھیں کہ ایڈریل ڈائریکٹر کی اپنی گیا تھا اور مٹکل سے بھی پڑھانے جا رہا تھا۔ میں نے وہ
ان دونوں تبدیلیوں کو دیکھ لیا اپنے ٹکنے والے کیا تھا اور اسے ایک نیا الفافہ نکالا اور اس پر تمہارے گھر
چوبرجی سے ٹرکنے لے کر فیر دوڑ پڑھی۔“
”کیا مطلب؟“

”یاد ہے اس دن تم نے مجھے دو لفافے پکڑائے تھے اور کہا تھا کہ دو بجے، کوریئر
سردوں کا نمائندہ آکے یہ لفافے پک کر لے گا۔ تم نے مجھے اس کی خاص حفاظت کی تاکید
کی گئی۔ میں نے الٹ پیٹ کے دیکھا ایک پتہ تبارے گھر کا ایڈریس تھا، دوسرے پہ بادر
بھائی جان کے آفس کا۔ لیکن دوسری طرف بھیجنے والے کا کوئی نام و پتہ نہیں تھا۔ میں نے
بڑی حریت سے تم سے اس رازداری کی وجہ دریافت کی اور تم نے بڑے پراسرار طریقے
سے مکراتے ہوئے کہا کہ تم انہیں کوئی سریز دینا چاہتے ہو۔ میں نے بھی زیادہ نہ کریا

تمہاری اوٹ پٹاگ سر پھری حرکتوں سے اپنی طرح واقف تھا۔“
کاراب وحدت روڈ سے گزر رہی تھی۔ میری خالی نظریں جانے پہچانے سائز
بورڈز کو سرسری ساد کیے رہی تھیں۔ اور وہ منہوں دن پوری سفا کی کے ساتھ ذہن کے پردے
پر میری تمام تر منہوں حرکات کے ساتھ ابھر رہا تھا۔

”اس دن تصاویر پیک کرنے کے بعد میں نے اپنی مخصوص کوریئر مرسدس کو فون کی۔
اُسے دو بجے آتا تھا۔ جب کہ ابھی... میں نے تمام دیکھا اور سوچا کہ کہیں اس کے انتظار
میں دیرہ نہ ہو جائے۔ میں آج ہی زینا سے آخری ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ آفس نہیں
باراں سے پچھلی دھی سلے دیکھنا تھا۔ میں نے تصاویر والا لفافہ نوید کے حوالے کیا اور خود زینا
اکے گھر چلا گیا۔ نوید کی ہم توہنہ دار اشنا فطرت پر مجھے یقین تھا اور کوریئر مرسدس کی بر وقت سردوں
پہنچی بھروسہ رہا تھا۔“
”نہیں بلکہ اصل میں تو میں نے زینا کو۔“ ہے زکا پھر کی چین انہا کے مجھے بھی
وقت میرے اندازے کے مطابق وہ تصاویر اپنے مقام پر پیچ چکی تھیں اور میں چوروں کی
صورج چاندنہ حصہ میں سے بھاٹک لکلا۔ ”کیا وہ تصاویر.....؟“ میں نے گردن موڑ
کے لیے بڑا یکھڑا کا اپنے زائد یہیں کے آگے سے گزر رہی تھی۔

”وہ لفافے میرے بالکل سماں نہیں وھرے تھے اور میں نیوز پیسٹر کا مطالعہ کرتے
ہوئے کافی پی رہا تھا کہ ایسا نک پہنچیں کیسے کافی میرے ہاتھ کے بالکل قریب رکھے
لغا فے۔“ چھلکت گئی۔ یہ تباہی خر کے ایڈریس والے لفافہ تھا۔ کافی پکھو اس بری طرح
چھلکی تھی کہ ایڈریل ڈائریکٹر کی اپنی گیا تھا اور مٹکل سے بھی پڑھانے جا رہا تھا۔ میں نے وہ
ان دونوں تبدیلیوں کو دیکھ لیا اپنے ٹکنے والے کیا تھا اور اسے ایک نیا الفافہ نکالا اور اس پر تمہارے گھر
چوبرجی سے ٹرکنے لے کر فیر دوڑ پڑھی۔“

”ایسے چاک کیا، چند تصاویر پہنچاں کے میری گود میں آن گریں۔ ان چار تصاویر دل میں
سے تین کی پشت میری جانب گھی جب کہ ایک تصویر میں زینا، باشی گروپ آف انڈسٹریز
کے بھروسہ کے گھنے کا ہار بھی مجھے حیرت زدہ کر گئی۔
حیرت کی ایک بجہ تو زینا عمر جیسی لڑکی کی ایسی تصویر کا ہوا تھا۔
حیرت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان تصویروں کو تم اپنے ہی گھر کیوں بھیج رہے تھے۔
اور حیرت کی تیسرا وجہ یہ تھی کہ ان تصویروں کو تم اپنے ہی گھر کیوں بھیج رہے تھے۔
میں نے بھس کا شکار دے کے دوسرالفاٹ بھی کھوں لیا اس میں بھی یہی پکھو تھا۔ میں
سوچ میں پڑ گیا تھا لیکن میری سوچ کو کوئی سراہا تھا نہ لگ رہا تھا، اسکی کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی۔

سونے کے لیے دو اور دو چار کرنے کی سوچ تارہا۔ جب مجھے خسارے کا اندر یہ ہوا تو میں تھی جس کو بنیاد بنا کے تم ایسا کرتے۔ میں نے وہ تصاویر کو ریسروس والے کے حوالے نہ نے بے ایمانی کر کے منافع خوری کا سوچا۔” میں نے اعتراف کیا۔

”نہیں عاشر! یہ محبت ہی تھی۔ تمہیں پا بعد میں چلا جمیں انسان تمہیں اس سے محبت نہ ہوتی تو اس کے لیے ایک بار برا سوچ لینے کی غلطی تمہیں اتنا نہ ستابی کہ تم یوں در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے۔ اب بھی وقت ہے لوٹ جاؤ اس کے پاس وہ تمہارے انتظار میں ”لوٹ جاؤ، اس کے پاس۔ وہ میرے انتظار میں ہے۔ اگر میں تمہارے اس معاملہ تھا پہلے تو مجھے ان تصاویر کی حقیقت کے بارے میں یہ شک و شبہ تھا اور بالفرض اگر ایسا سچ بھی ہوتا تو تمہیں اس کی ضرورت تھی۔ وہ تمہاری کچھ نہ لگتی تھی۔ تمہارا اپنے اس انتظار پر افسوس نہ ہو گا۔“

”کیسے جانے گی۔ کون بتائے گا۔ کیا اور بھائی جان تک یہ سارا معاملہ کبھی میں تمہارا انتظار کرتا رہا، مگر تم نہیں آئے۔ نہ اس دن نہ اس سے اگلے دن پہلے میں کچھ بھائی دیکھ لیتھیں۔.... میں وہ تصاویر اسی دن جلا بیشا تھا جس دن زینیا کے اقرار پر میں انتظار لباہوتا چلا گیا۔ باقر بھائی اور چچی کنی بارہ مجھے پوچھنے آئے۔ میں کیا کہتا۔ میں خود نے یہ ساری چیزیں بھائی تھیں۔ اور کون ہے۔ کیا تم۔ تم ہرگز اسے یہ نہیں بتاؤ گے ورنہ میں لعلم تھا۔ دوسری طرف زینیا کی عروج پہنچی بے تسلی مجھے اور جیران کمبوڈیا تھی۔ اسے تمہارا تمہیں جان سے مار دوں گے مجھوں سے یہ نہیں ہوتی ہے۔ بخوبی ہوتی ہے اسے یہ غلط نہیں انتظار کیوں تھا۔“ نوید نے اسی ریکھ کھیا۔ کافری اکپر کمبوڈیا کے کنارے سبک خرای سے روای دوال تھی۔

”کیا واقعی اللہ نے میری توہین قبول کر لیے۔ کیا واقعی..... مجھے اس نے معاف تھی کہ تم اس کی غلطی معاف نہیں کر رکھتے۔ وہ تو خود پچھتا ویں میں گھری ہوئی ہے۔“

”کچھ روز بعد چچی سے بھی علم ہوا کہ وہ باقر بھائی کے لیے زینیا میں اترنے والے ایسا تھیں، لیکن زینیا نے پہلے اقرار اور پھر انکار کر کے یہ باستین کیا۔ اس کے باوجود اسے بڑی خوشخبری، میرے لیے اور کیا بھائی کہ وہ گناہ جس کے کرنے کے میں تمام ارادے کر میں معاوم کرنے کے لیے مجھے مسلسل رابطے میں تھی۔ اپنے روز میں نے اسے دھر لیا۔ وہ بے حد کمزور ہو رہی تھی۔ جذباتی طور پر بھی اور نفیاتی طور پر بھی ہلاکت ویزا جست نہ کر سکن اور اس نے میرے سامنے اقرار کر لیا کہ وہ تم سے محبت کرنی چاہئے اور اپنے بھائی کی بات اپنے ناراض ہو کے تم نے خود کو لاپتا کر لیا ہے۔“ اتنا کہہ کے نوید نے میری طرف دیکھا۔

”کیا بھی میں نہ سمجھتا۔ تم اسے چانتے تھے اور وہ تمہیں اگرچہ پہنچے وہی نہیں کہے۔ اسے بھائی سکتے۔ اسے بھائی سکتے ہو۔ تم نے خوب سزا بھگت لی۔ اور انجانے میں اس لڑکی کو بھی دے دی۔ اب لوٹ چلو.... اور اس کی سزا بھی ختم کر دو.... اس کے دل سے یہ پچھتا واجھا تارہے کہ وہ تمہارا دل دکھانے کا سبب ہے۔“

”کتنی عجیب سی بات ہے نا نو پد... میں تو اپنے کیے کی سزا بھگت رہا تھا۔ اس سے منہ چھپائے پھر رہا تھا۔ اس سے معافی نہ ملنے کا خوف مجھے بھگائے رکھا اور وہ..... وہ بھی نے خود پیدا کیں اور کچھ خود بخود پیدا ہوئی چل گئیں۔“

”کیوں نہیں تھی۔ تم اس سے محبت کر رہے تھے۔ ہے نا۔ بس اتنا کہہ دیتے چچی سے۔ اس فضول حرکت کی کیا وجہ تھی۔ یہ محبت کا کون سا اندازے۔“

”محبت.....! میں نے محبت کب کی نوید۔ میں تو پلانٹ کرتا رہا ایک نفع بخش

کیسی جس کو بنیاد بنا کے تم ایسا کرتے۔ میں نے وہ تصاویر کو ریسروس والے کے حوالے نہ کیں۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا تھا، میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جسے تم کتنا ہی ناراض کیوں نہ ہو۔ تمہارے ذاتی معاملے کا بھید لیٹنے پہ چاہے مجھے تمہاری کتنی ہی بڑی بھال کیوں نہ سنی پڑیں میں تم سے اصل بات الگوا کے رہوں گا۔ آخر یہ ایک لڑکی کی عزت کا معاملہ تھا پہلے تو مجھے ان تصاویر کی حقیقت کے بارے میں یہ شک و شبہ تھا اور بالفرض اگر ایسا سچ بھی ہوتا تو تمہیں اس کی ضرورت تھی۔ وہ تمہاری کچھ نہ لگتی تھی۔ تمہارا اس کی اچھائی برائی سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

”کچھ روز بعد چچی سے بھی علم ہوا کہ وہ باقر بھائی کے لیے زینیا میں اترنے والے ایسا تھیں، لیکن زینیا نے پہلے اقرار اور پھر انکار کر کے یہ باستین کیا۔ اس کے باوجود اسے بڑی خوشخبری، میرے لیے اور کیا بھائی کہ وہ گناہ جس کے کرنے کے میں تمام ارادے کر آیا تھا، خدا نے وہ گناہ میرے نسبت میں ہونا لکھا ہی نہیں تھا۔“

”کچھ اور تحقیق پہ بھور کر گئی۔ زینیا نے ریزاں دہے دیا تھا۔ گزروہ تو اتر سے تمہارے بارے میں معاوم کرنے کے لیے مجھے مسلسل رابطے میں تھی۔ اپنے روز میں نے اسے دھر لیا۔ وہ

”کیا بھی میں نہ سمجھتا۔ تم اسے چانتے تھے اور وہ تمہیں اگرچہ پہنچے وہی نہیں کہے۔“ اتنا کہہ کے نوید نے میری طرف دیکھا۔

”کتنی سادہ نہیں تھی۔“ میں نے کہا۔ اب اسے کیا بتاتا کہ کچھ پچید گیاں کس لیے پیدا کیں۔“ بات اتنی سادہ نہیں تھی۔“ میں نے کہا۔ اب اسے کیا بتاتا کہ کچھ پچید گیاں میں سے کچھ خود بخود بخود پیدا ہوئی چل گئیں۔“

”کیوں نہیں تھی۔ تم اس سے محبت کر رہے تھے۔ ہے نا۔ بس اتنا کہہ دیتے چچی سے۔ اس فضول حرکت کی کیا وجہ تھی۔ یہ محبت کا کون سا اندازے۔“

”محبت.....! میں نے محبت کب کی نوید۔ میں تو پلانٹ کرتا رہا ایک نفع بخش

میں نے پر سکون ہو کے اپنا اسرٹیک لیا اور سامنے دیکھنے لگا۔ نوید نے کیمپس سے اب کار ڈاکٹرز ہاپپل - کی طرف موڑ لی تھی۔ یہ وہی ہاپپل تھا جہاں سے واک کرتے ہوئے میں زینیا کو پہلی بار اس کے گھر چھوڑنے لگا تھا۔ میں سمجھ گیا، نوید مجھے کہاں لے جا رہا تھا۔

اداکی تم اسے کہنا
اکیلا تو نہیں دکھ میں
تیرا بچھڑا ہوا

اُجڑے ہوئے شہروں میں اکثر بھاگتا پھرتا ہے
اکثر بھاگتا پھرتا ہے
اور اداکی

تم اسے کہنا
تھیں دکھ میں نہیں ہو
بھی بھی آپنی راکھ
ہاتھوں میں لے لیے
سکھاں ہاتھوں

پشاویوں کے بال ہاتھوں لیں کرتے ہیں
بھیں اب..... بس کریہ تھائیوں کے نوحے، اداسیوں کی باتیں۔ نوید نے میری خود کلامی پر مجھے فوٹو کامیابی کی
”بتو تھا درست کر لیا تو ہر حصہ میں باہمی تکمیل ہے۔ لیکن کہاں کہاں ہر بھرے ہیں گر، جب اللہ کو تیرا پر دہ منظور ہے تو کیوں اپنے ہاتھوں اپنے لیے گڑھے کھو دتا ہے۔ وہ صرف رحیم و کریم ہی نہیں، ستار و غفار بھی ہے۔ تمام عیوب ذہک دینے والا، خبردار جو تم نے کوئی حماقت کرنے کی کوشش کی۔“

”ایک منٹ۔“ میں نے اسے روکا۔ ”ذرا یہاں سے ٹرن لینا۔“ وہ اس اسٹریٹ میں مڑنے ہی والا تھا جب میں نے اسے سامنے کی مارکیٹ تک جانے کا اشارہ دیا۔

”وہاں کیوں۔؟“ وہ چونک کے مجھے گھورنے لگا۔ میرے لبouں پر عرصے بعد.... یا شاید پہلی بار ایک سچی مسکراہٹ کی دھوپ پہلی۔

”وہاں..... فلاور شاپ پہ..... مجھے گلاب لینے ہیں۔ سرخ گلاب.... زینیا کے لیے۔ سارے کے سارے گلاب.....“